روشنی کے مینار

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :- سعید الاعظمی ندوی
ترجمہ :- سید عبد الرشید

اس مجلس میں شیخ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحب زادے عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے بارے میں کچھ گفتگو کروں گا جن کی شخصیت علمی و ادبی لحاظ سے مسلّم ہے آپ کی تبحر علمی ہی کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے آپ کو سراج العلماء اور بعض لوگوں نے حجۃ اللہ کے لقب سے یاد کیا ہو۔ آپ بہت ہی ذہین اور بخت السعداد کے مالک تھے۔ صغر سنی ہی میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے اور ابھی پندرہ سال کی عمر نہ تھی کہ مسند درس و تدریس پر فائز ہو گئے۔ آپ نے بہت سے عظیم الشان کارنامے انجام دیے اور دین حنیفی کی وہ خدمات انجام دیں جو بڑے بڑے علماء و صوفیا بھی نہ انجام دے سکے۔

آپ ماہ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے سب سے پہلے حفظ قرآن کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت ہی کم مدت میں پورا قرآن حفظ کر لیا۔ اس سے فراغت کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف توجہ دی۔ اول سب سے پہلے اپنے والد بزرگوار کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا — آپ کے والد یعنی شاہ ولی اللہ کی تبحر علمی سے بھلا کون شخص انکار کر سکتا ہے۔ اس کے بعد موجودہ زمانہ کے بڑے بڑے جید علماء و فضلا کی مجلسوں میں بیٹھ کر استفادہ کیا اور بہت جلد ہی ملک کے علمی و دینی حلقہ میں ایک بڑا مقام حاصل کر لیا۔ دین و مذہب، علم و ادب، معرفت و طریقت کے مختلف گوشوں پر متعدد کتابیں لکھیں۔ علمی اعتبار سے آپ سے زیادہ بہتر شخصیت اور آپ سے فائق — ہستی ہندوستان کی تاریخ اسلامی میں بہت کم مل سکے گی۔ ذرا ہندوستان کی اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھیے کہ تاریخ آپ کے بارے میں کیا کہہ رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"آپ کا حافظہ نہایت قوی، قوت فہم و ادراک ہر وقت حاضر رہی۔ شاہ عبد العزیز جن کی یگانہ روزگار شخصیت متعدد اوصاف کی حامل تھی۔ پندرہ برس ہی کے سن سے مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اور بے شمار تشنگان علوم کو اپنے وافر علم سے سیراب کیا۔ بہت ہی قلیل عرصہ میں سارے ہندوستان میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ غرض یہ کہ پورے ہندوستان میں آپ کا طوطی بولنے لگا۔ اور ہر طرف سے علم کے جویا آپ پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے پیاسا شخص پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ ابھی تقریباً بیس سال ہی کی عمر تھی کہ آپ کو قدرت نے متعدد امراض کی آزمائش میں مبتلا کر دیا لیکن تادم آپ کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی اور نہ دامن صبر آپ کے ہاتھ سے چھوٹا۔ بعض لوگوں کے قول کے مطابق پندرہ قسم کے مختلف امراض تھے جنھوں نے آپ کو مجبور و بے بس بنا دیا تھا لیکن وہ تمام امور جوان بیماریوں سے پہلے انجام دیتے تھے ان میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا بلکہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ ان امراض کی تکالیف برداشت کرتے رہے اور اپنے ان تمام فرائض کی ادائیگی میں برابر مصروف رہے جس کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ نے آپ کے ضعیف و ناتواں کاندھوں پر ڈالی تھی۔ خدا کی مرضی پر ہمیشہ خوش رہے کبھی آزردہ خاطر نہ ہوئے اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر خدا کے آخری دین کی نشر و اشاعت کرتے رہے اجادۂ حق سے بھٹکے ہوئے دلوں کو ایمان کی روشنی بخشتے رہے۔ اور اپنے دکھ درد، آلام و مصائب اور تکالیف پر آہ و زاری تو بڑی بات ہے کبھی اف تک نہ کیا بلکہ اپنے کاموں میں اس طرح لگے رہے جیسے آپ کو کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ غرض یہ کہ اس طرح اور اسی حال میں ساری زندگی علمی و دینی جہاد میں مشغول رہے اور بندگان خدا کو اپنے علم سے فائدہ پہونچاتے رہے یعنی قرآن و حدیث کے اسرار و رموز اور ان کے حقائق کی تشریح و توضیح کرتے رہے، احسان و سلوک کے اعلیٰ مقامی کی تشریح کرتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں امراض نے آپ کو بالکل مجبور و بے بس ہی نہیں بلکہ بیکار محض بنا دیا تھا حتیٰ کہ مجلس میں اٹھنا بیٹھنا تک دشوار تھا لیکن ایسی حالت میں بھی آپ فرائض کی ادائیگی سے باز نہ آئے اور خلق خدا کو اپنے وسیع علم سے فائدہ پہونچانے کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ کہ آپ دو آدمیوں کے سہارے سے اپنے قدیم و جدید مدرسہ کے درمیان چلتے اور کبھی کھڑے رہتے اور اسی حالت میں لوگوں کے ایک جم غفیر کو درس دیتے اور لوگوں کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دیتے اپنا تصنیفی و تالیفی کام بھی کرتے فتاویٰ بھی جاری کرتے۔ علوم الٰہی پر متکلمین و منکرین سے بحث و مباحثہ کرتے۔ گمراہوں کو سچا اور سیدھا راستہ دکھاتے اور ان کی ایسی چیز کی طرف رہنمائی کرتے جس میں دنیاوی اور اخروی دونوں جہاں کی فلاح و سعادت ہوتی — یہی آپ کا روز آنہ کا دستور تھا معمول تھا۔ ان تمام کاموں کی انجام دہی کے باوجود آپ بالکل نہ تھکتے کیوں کہ ان ہی چیزوں سے آپ کے قلب کو غذا حاصل ہوتی تھی۔ سیری حاصل ہوتی تھی عشق الٰہی کے اسیر قلب کو سکون و چین ملتا تھا۔ چوں کہ آپ ایمان کی لذت و حلاوت سے واقف تھے اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ یہ نعمت ہر خاص و عام میں عام ہو جائے صرف آپ ہی تک محدود نہ رہے تاکہ عوام بھی وہ چیز محسوس کر لیں جو آپ خود محسوس کرتے تھے۔ آپ سے جو علوم و فنون حاصل کرنے کا جو ذوق و شوق اور جذبہ لوگوں کے دلوں میں کار فرما تھا اس کی صحیح تصویر کشی اور سچی عکاسی کرنا اور اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا اگرچہ ناممکن ہے لیکن پھر بھی آپ مورخ کی زبانی سنئے کہ وہ اس سلسلے میں کیا لکھتا ہے:۔

"آپ کی علمی و ادبی افضلیت کی بنا پر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تاکہ آپ کے انوار علوم سے مستفید ہو سکیں — شہزادے و اد باء بھی آپ کے پاس پہنچتے تاکہ آپ کے طلبہ پایہ ادب سے کچھ فائدہ اٹھا سکیں — ارباب تصوف و سلوک بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے تاکہ آپ کے ظاہری و باطنی انوار کی چند کرنیں حاصل کر سکیں الغرض یہ کہ آپ کے پاس سے کوئی شخص آزردہ خاطر یا ناکام ہو کر واپس نہ جاتا تھا۔ چاہے وہ علمی امداد کا طالب ہو یا مالی مدد کا خواستگار ہو۔ تمام علوم و فنون میں آپ کو صرف مہارت ہی نہیں بلکہ یدطولیٰ حاصل تھا — علم قرآن و حدیث آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا۔ قرآن و حدیث کے حقائق و رموز اور ان کے اسرار کی تحقیق میں آپ نے بڑی جانفشانی کی ہے اور ایسی ایسی تحقیقات منظر عام پر لائے ہیں کہ اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ملتا۔ آپ نے علم قرآن پر ایک کتاب "فتح العزیز" بھی لکھی لیکن افسوس کہ وہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے موقع پر کہیں ضائع ہو گئی صرف پہلی اور آخری جلد محفوظ رہ سکی جو آج بھی محفوظ ہے"۔

شیخ محسن بن یحییٰ نے اپنی کتاب "یانع الجنی" میں یوں رقمطراز ہیں "آپ کی شہرت بام عروج پر تھی اتنی علمی و دینی شہرت بہت ہی کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے"۔ پھر آگے چل کر آپ کے فضائل و مناقب لکھتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:۔ ....

"خدائے تعالیٰ نے آپ کو خواب اور سچی اور صحیح تعبیر بتانے کا فن اور ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کی بتائی ہوئی کوئی تعبیر غلط نہ ثابت ہوتی تھی بلکہ صاحب خواب خود بخود آپ کے پاس تعبیر کی صداقت کی شہادت دینے کے لئے آتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا آپ نے بذات خود ان باتوں کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

یہ بلند منصب و مرتبہ تو صرف صوفیاء اور صلحا کا ہی حصہ ہے جو اتباع نفس سے کوسوں دور رہتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو مختلف قسم کے کمالات و فضائل سے نوازا تھا جس کی وجہ سے آپ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ ممتاز و فائق اور مشہور ہوئے۔ آپ نے خدا کی دی ہوئی تمام چیزوں سے کام لیا اور دوسروں کو فائدہ پہونچایا خاص کر آپ نے فاسد اور گمراہ کن رجحانات کو ختم کرنے میں اپنی ساری جد و جہد اور کوششیں صرف کر دیں آگے چل کر آپ کی یہی کوششیں اور محنتیں بار آور ہوئیں اور اسی ارض۔ ہند میں علماء اہل یقین کا ایک ایسا طبقہ اور جماعت پیدا ہو گئی جو آپ ہی کی طرح علوم معرفت و تصوف اور میدان علم و ادب میں مشہور ہوئے جن کا طریق استدلال اور انداز گفتگو لوگوں پر جادو کا سا اثر کرتا تھا۔ ان تمام علماء سے اہل ہند نے خوب خوب فائدہ بھی اٹھایا۔

علم و ادب و تصوف و سلوک کی انتی بہاریں دکھانے کے بعد یہ جامع — ہستی ۱۲۳۹ھ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو داغ مفارقت دے گئی۔ لیکن ہاں چلتے چلتے وہ مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی وہ روح پھونک گئی جس نے اس پر آشوب اور نازک دور میں بھی ان کو بھولا سا وقار اور مرتبہ عطا کیا جب کہ عہد اسلامی کا ہندوستان علم

(باقی صفحہ ۱۵ پر دیکھئے)

قبرستان شہر خموشاں نہیں

سب سے زیادہ آباد و پُر رونق شہر ہے

از صوفی انعام اللہ صاحب

(یہ تقریر عیش باغ قبرستان لکھنؤ میں کی گئی)

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا ھو کل شیء ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون ۝

بزرگو و دینی بھائیو!

ہم آپ سب ایک آباد شہر کی آبادی سے نکل کر دوسرے شہر کی آبادی میں کھڑے ہیں، جس آبادی سے آپ نکل کر آئے ہیں اس سے آپ کا تعلق ہے اور اس شہر سے بھی آپ کا تعلق ہے بلکہ گہرا تعلق ہے، میں نے گہرا تعلق اس لئے عرض کیا کہ وہاں کچھ دن سے ہیں اور کچھ ہی دن تک اور رہیں گے پھر جس شہر کا میں تذکرہ کر رہا ہوں وہاں بس جائیں گے اور یقیناً یہاں کی مدت قیام وہاں سے زیادہ بہت زیادہ ہوگی اس آبادی میں اگر اپنے کچھ اعزہ اقربا، دوست احباب ہیں تو اس شہر میں اس سے زائد ہیں وہ اور تھے، ناراض ہوتے ہیں یہ نہ روٹھیں نہ ناراض ہوں، ان کی ناراضگی میں یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ سلام عرض کریں اور وہ جواب سے اعراض کریں مگر یہاں سلام کیجئے تو اعراض کوئی نہیں کرتا میرا دوسرا شہر قبرستان ہے۔ یہاں جو کچھ اپنا جتلا دیا جائے گا بس وہ اپنا ہے اور وہاں کے جینے کو اپنا سمجھ رہے ہیں وہ اپنا کہاں، وہاں تو جس کو اپنا سمجھ رہے ہیں وہ بھی اپنا نہیں وہاں کا سب کچھ عارضی اور ناپائیدار ہے، یہاں کا سب کچھ مستقل اور پائیدار ہے، وہاں کا سب کچھ مصنوعی اور یہاں کا سب کچھ حقیقی ہے۔

اس شہر کی راحتوں کے مجموعہ میں وہ راحت نہیں جو یہاں راحت کے ایک ریزے میں ہے اس کا نام شہر خموشاں، غلط رکھا گیا بے سوچے سمجھے ہم بھی اس کو شہر خموشاں کہنے لگے۔ یہاں خموشی کہاں۔

حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی گناہوں کے ساتھ یہاں آتا ہے تو قبر تنگ و تاریک بنا دی جاتی ہے اور بعض گناہ ایسے ہیں جن کی یہ سزا ابتلائی گئی ہے کہ اندھا اور بہرا ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کو مارنے کے لئے جو گرز دیا جاتا ہے وہ اتنا وزنی ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے جنات و انسان مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے ایک مرتبہ مارنے سے مردہ ستر گز زمین میں دھنس جاتا ہے اس کو مارنے کا دھما کا جس کو مار جائے اس کی کرب، بے چینی، چیخ و پکار جس کو جنوں اور انسانوں کے سوا سب سنتے ہیں ایسی جگہ اور شہر خموشاں ہو کیا جوڑ ہے۔ اسی طرح نیکیوں کے لئے یہ گڑھا نہیں جنت کا باغ ہے اور جنت کا باغ کہیں سریلی آوازوں سے اچھی ہواؤں کے جھونکوں سے دلکش نغموں سے خالی ہوتا ہے؟

حدیث پاک میں ہے جب میت کو قبر میں جنت دکھلائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے تو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اس سے قبل کبھی ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی کیا ایسی جگہ کو شہر خموشاں کہا جا سکتا ہے اور اس لئے شہر خموشاں کہہ دیا کہ کچھ دکھلائی نہیں دیتا صحیح نہیں یہاں کا تو سب کچھ دکھلایا جاتا مگر پھر اس عالم فانی میں زندگی دوبھر ہو جاتی۔

حدیث پاک میں ہو فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں دعا کرتا — اور تم کو خدا عالم برزخ کا حال دکھلائے مگر تم تحمل نہ کر سکو گے کپڑے پھاڑ کر جنگلوں کو بھاگو گے بستروں کی لذتیں بھول جاؤ گے اس لئے اللہ نے چھپا دیا۔ ادھر گناہوں کی ظلمت نے قلب کی نظر کو دھندلا کر دیا بلکہ وہ آنکھ تقریباً بند ہو گئی اور نہ تو وہ یقین رہا جس سے آپ کو سب کچھ دکھائی دے یا کبھی کوئی جھلک نظر آ جایا کرے۔ یہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک بندہ خدا کی بندگی کو نہ اپنا لے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا ذوق نہ بنا لے یہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس پر محنت ہے تو خدا یقین کی وہ دولت عطا فرمائیں گے جس سے بے دیکھے دیکھنے سے زیادہ دکھلائی دے یا یہاں کی جھلکیاں دکھلائی جائیں۔ آپ فرمائیں گے کہ ابھی تو یوں کہہ چکا ہے کہ تحمل نہ کر سکنے کے سبب چھپا یا گیا ہے اور اب کہتا ہے کہ دکھلا جائے گا۔ مگر جن اعمال اور جس محنت پر دکھلایا جاتا ہے اس سے تحمل بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جب ہی اولیاء اللہ کی جماعت میں ہزاروں ہزار ہیں جن کے حالات میں یہاں کے حالات کا دیکھنا عجب عجب رنگ میں ملتا ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

جو بات یہاں اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے دل پر نقش کر لینے کی وہ یہ ہے کہ اب تک جس کسی کو لائے چھوڑ کر چلے گئے، وہ دن دور نہیں کہ لانے والے ہم کو لائیں گے اور چھوڑ کر اسی طرح کر چلے جائیں گے۔ جیسے ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔ اس لئے وہ ذی ہوش ہے جو یہاں آنے سے قبل یہاں کا سامان کر لے۔ اس نے صحیح راہ اپنائی جس نے یہاں آنے سے پہلے یہاں کی تیاری کو نہیں بھلایا۔ بس وہ خوش نصیب ہے جو اپنے آنے سے پہلے یہاں کے لئے کچھ بھیج دے اب تک اگر غفلت برتی اور یقیناً برتی۔ تو آیئے خدا سے معافی مانگیں اے اللہ تو اپنے فضل سے معاف فرما دے ایک ایک گناہ معاف فرما دے۔ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی ہوں مگر ان کی رحمتیں بہت وسیع ہیں اور وہ معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ بس عزم کی ضرورت ہے جس جیسا عزم نہیں۔ مردوں کا سا عزم۔ مسلمان کا سا عزم۔ پھر یہاں سے جا کر یہاں کو بھولیں نہیں۔ کم از کم پانچ وقت نماز کی پابندی مسجد میں جماعت کے ساتھ۔ ابھی رمضان کو رخصت ہوئے دن ہی کتنے گزرے مگر شام کی ہمیں ہمارے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ دیکھیے آپ کے ایک دوست برادری والے نے پکارا اور آپ اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہو گئے حالانکہ آپ سب کو آنا فرض نہ واجب۔ پھر خدا آواز دلوائیں حی علی الصلوٰۃ کیا خدا سے ہمارا رشتہ اس رشتہ سے بھی کمزور ہے جو ہم ان کی پکار پر ان کے گھر پر اکٹھا نہیں ہو پاتے۔ پھر سے طے کریں اور نمازوں کا اہتمام کریں نمازوں سے ایک نور ملے گا ایک قوت ملے گی جو گناہوں سے روکنے کا مشورہ دے گی اور گناہ کو بُرا جتلائے گی ہم اگر اس مشورہ کو مانیں گے تو وہ قوت اور بڑھے گی اور بہت جلد یہ دولت نصیب ہو جائے گی کہ گناہ سے نفرت ہمارا مزاج بن جائے گا۔ پرہیزگاری ہمارا محبوب مشغلہ ہو گا۔ اس میں مزید تقویت کے لئے کچھ ذکر تلاوت کا معمول بھی باندھ لیں جب اخبار و رسائل سے اتنی دلچسپی ہے تو قرآن پاک کی تلاوت سے دل نہیں بہلایا جا سکتا۔ ہم محنت کریں قرآن تو ہم کو خود اپنی طرف کھینچے گا اور کم از کم ایک ایک تسبیح درود شریف استغفار اور تیسرے کلمہ کی طے فرما لیجئے۔ ہر ایک کے پاس اتنا وقت ہے جس میں اس کی پابندی کی جا سکتی ہے۔ آخر میں پھر عرض کر دیں کہ تنہا اس وقت کا سننا اور عزم کرنا کافی نہیں ہم اس سے بھی زائد کرنے کی ضرورت ہے کہ بار بار باتیں کان میں پڑتی رہیں عمل پر پڑ چکے تو اس میں بڑھتے رہیں۔ بس ایسی جگہوں کو تلاش کیجئے، شہر میں ہفتہ وار اس مقصد کے لئے اللہ کے بندے اکٹھا ہوتے ہیں اور ان کو نفع ہوتا ہے وہ یہاں کی تیاریوں سے غافل نہیں رہتا۔ آپ بھی اس میں تشریف لایا کریں۔

بقیہ قرآن کا پیام

بھی نہیں ہو سکتا۔ طبعی و غیر طبعی، عادی و غیر عادی، متعارف و مجہول، جلی و خفی، اسباب کی تفریق تو بشری تجربات کے لحاظ سے ہے۔ قادر مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ اب رہا کسی متعین معجزہ کا ثبوت تو اس کا تعلق منطق سے نہیں تاریخ سے، عقل سے نہیں نقل سے، روایت سے نہیں درایت سے ہے۔ ظن و تخمین کا یہاں دخل نہیں اب گفتگو صرف سند متصل اور شہادت معتبر کی رو سے ہو گی معجزات مسیح کا ذکر انجیلوں میں بکثرت آیا ہے۔

من دیکھ بہ یہ اضافہ اس حقیقت کی تاکید اور اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ معجزہ کا ظہور حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ نہ کہ پیغمبر کے اختیار و قدرت سے یہ اور بات ہے کہ اس کا مقصود پیغمبر کی تائید و نصرت ہو۔

تاریخ کا ایک عبرت انگیز واقعہ!

شمس الحق ندوی

تاریخ میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے نہایت شاندار محل تعمیر کرایا۔ اس محل کی شان و شوکت کا یہ عالم تھا کہ اس کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں، حسن و جمال کی تکمیل کے سارے سامان اس میں جمع تھے، زیبائش و آرائش سے مزین درو دیوار ہر ہر گیٹ پر اسلحے سے لیس اعلیٰ قسم کی وردیاں زیب تن کئے ہوئے فوجی دستے دور رویہ ایستادہ تھے، اور شاہی جاہ و جلال کا انوکھا منظر پیش کر رہے تھے، محل کے ارد گرد تماشائیوں کا ایک زبردست ہجوم داد تحسین دے رہا تھا، ہر شخص کی زبان پر مدح و ثنا کا کلمہ جاری تھا۔ بادشاہ تمسخر و غرور کے لب و لہجہ میں ہر ایک سے پوچھتا کہ محل میں کوئی عیب و خامی تو نہیں ہے، کس کی مجال تھی کہ عیب نکالتا، ہر ایک تعریف کے پل باندھتا اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتا، یہی کہتا کہ اس میں کوئی عیب ہے نہ خامی۔ محل اور محل کا ساز و سامان بے نظیر و بے مثال ہے۔ مگر اس جم غفیر میں ایسے ہوشمند و جری نکل آئے جنھوں نے اس میں دو عیب نکال دیے۔ انھوں نے کہا ہاں محل واقعی اپنی شان کا انوکھا محل ہے مگر اس میں دو عیب ہیں، یہ نہ ہوتے تو کیا کہنا تھا۔ مگر یہ دو عیب ہیں اور رہیں گے۔

”وہ کیا؟“ بادشاہ نے حیرت و تعجب اور غیظ و غضب کے ملے جلے انداز میں پوچھا۔

انھوں نے نہایت متانت و سنجیدگی اور اعتماد کے ساتھ کہا۔ کہ ایک عیب تو یہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا جائے گا محل کا حسن و جمال ماند پڑتا جائے گا۔ اس کے استحکام میں ضعف و بوسیدگی پیدا ہوتی جائے گی۔ دوسرا عیب جو اس سے بڑا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا مالک اس کو یوں ہی چھوڑ کر بڑی حسرت و یاس کے ساتھ عالم آخرت کو روانہ ہو جائے گا۔ ان الفاظ کا سننا تھا کہ بادشاہ ایک گہری فکر میں ڈوب گیا........ یہ محل اس کی شان و شوکت، یہ لاؤ لشکر مجھ سے چھوٹ جائے گا؟ کل اس پر کسی اور کا قبضہ ہوگا۔ پھر اس سے دلبستگی کے کیا معنی کیوں نہ زندگی کا وہ رخ اختیار کیا جائے جس میں حسرت و یاس کا گذر نہ ہو۔ دائمی عزت و سرفرازی نصیب ہو۔ وہ زندگی نصیب ہو جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

ان کو صبر و ثبات قدم کے صلے میں بالاخانے دیے جائیں گے، مبارکباد و سلام (کے سوغات حاصل) ہوں گے۔ جو عارضی اور فانی نہ ہوں گے۔ بلکہ (خالدین فیہا حسنت مستقراً و مقاماً) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ٹھہرنے اور رہنے کی بہترین جگہ ہے۔ (جزاءھم عند ربھم جنٰت عدن تجری من تحتہا الانھار خالدین فیہا ابداً رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ) ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ باقی رہنے والے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ خدا سے خوش یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرا۔

اس کا خیال آیا تھا کہ بادشاہ کی دنیا ہی بدل گئی۔ یہ خوبصورت محل مٹی کا ڈھیر معلوم ہونے لگا۔ اس نے اسی وقت اس کو خیرباد کہا اور فکر آخرت میں لگ گیا۔ اب اسے صرف اس زندگی کی فکر تھی جو ابدی ولازوال ہے۔ جہاں بقا ہی بقا ہے فنا کا گذر نہیں۔

تاریخ کے اس آئینہ میں اگر ہم آج اپنی صورت دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہم اپنے اقتدار، مال و دولت، فرموں اور ملوں، دوکانوں اور کارخانوں کو دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں اور اس فکر میں حیات اخروی کو اس طرح بھولے ہوئے ہیں اور اس پر اس طرح خوشی سے پھولے ہوئے ہیں جیسے ہمیشہ کے لئے ہماری زندگیوں کا بیمہ ہو چکا ہے، کیا ہم کبھی اپنی ترقیوں میں ان دو عیبوں پر بھی غور کرتے ہیں؟ ہر ترقی زوال پذیر ہے ہر مالک و حاکم اپنے ملک و حکومت کو چھوڑنے والا ہے دوسرے قبضہ کرنے کی تاک میں ہیں، اسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت بلیغ انداز میں فرمایا: تم کو اپنے مال سے زیادہ محبت ہے یا غیر کے، حاضرین نے عرض کیا اے اللہ کے نبی غیر کے مال سے کس کو محبت ہوگی۔ ہر ایک کو اپنا ہی مال عزیز ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کر لیا وہی تمہارا ہے باقی تو وارثوں کا ہے اور تم کو زیادہ محبت اسی سے ہے۔ تم اسی کو اپنا سمجھتے ہو۔ یہ کتنی بے عقلی و نادانی ہے؟

اسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لئے آپ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: کہ انسان کے تین دوست ہیں ان میں سے ایک تو اسی وقت ساتھ چھوڑ دیتا ہے جس آن وہ عالم سے رخصت ہوتا ہے۔ دوسرا قبر تک ساتھ دیتا ہے تیسرا سب سے بہتر وفادار ہے جو آخرت میں بھی ساتھ دیتا ہے، پھر آپ نے وضاحت فرمائی کہ پہلا دوست مال ہے جو آخری سانس کے ساتھ ہی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ دوسرا اولاد ہے جو قبر تک ساتھ جاتی ہے پھر واپس ہو جاتی ہے تیسرا اعمال خیر ہیں جو آخرت میں ساتھ دیتے ہیں۔

مگر یہ عجیب قصہ ہے کہ ہم کو اسی دوست سے محبت و لگاؤ ہے جو ایک دو قدم بھی ساتھ نہیں دیتا۔ اسی پر فریفتہ اور نثار ہیں۔ اور جو ہر منزل پر ساتھ دے گا اس کی طرف سے یکسر بے توجہ و غافل ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم اسی سے اپنا رشتہ استوار کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کو اس دنیا میں بھی بہت سے مصائب و آلام سے چھٹی ملتی، سکھ چین سے ہمکنار ہوتے اور آخرت میں بھی۔

آج ساری دنیا ان فانی چیزوں میں اپنی زندگی کو لگا اور مٹا رہی ہے اور اس کے پیچھے اس طرح دوڑ رہی ہے کہ اسے راستہ کے گڑھوں اور غاروں کا بھی ہوش نہیں ہے۔ کبھی تو وہ اس طرح ٹھوکر کھاتی اور گرتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا ہے۔ ہمارے سامنے کتنی ایسی مثالیں آتی ہیں کہ جو شخص ہزاروں کے حلیہ میں چلتا ہزاروں روپیوں کا مالک ہوتا ہے خالی ہاتھ اس طرح جاتا ہے کہ مٹھی کھلی کی کھلی رہتی ہے ساتھ کوئی نہیں دیتا اور یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس کو کسی فلسفیانہ و منطقی دلیل سے نہیں جھٹلایا جا سکتا۔ ایک یہی وہ — مسئلہ ہے جس میں دنیا کے کسی طبقہ کو اختلاف نہیں۔ اس دار فانی میں آنے والے ہر شخص کو یہ منزل پیش آکر ہی رہے گی۔ ؎

ہم نہ تھے کل کی بات ہے عوفی
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

یہ خیال ہمارے اس زمانے میں جیسے لوگوں کے دلوں سے نکل چکا ہے۔ آج کا انسان جھوٹی عزت جھوٹی بھوک کے گرد کولہو کے بیل کی طرح چکر لگا رہا ہے اور یہ وہ دائرہ ہے جس کی مسافت ختم ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے حضور نے فرمایا ہے کہ آدم کے منھ کو تو مٹی ہی بھر سکتی ہے اس ہوس کی کھلی ہوئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جو ایک دوکان کا مالک ہے دوسری کی فکر میں ہے جو کئی فرموں اور کارخانوں کا مالک ہے اس کو آگے کی فکر ہے۔ اس زندگی کے بعد کیا ہے؟ آخرت میں کیا گذرے گی؟ وہاں کیا کام آئے گا؟ اس سے ذہن خالی ہیں۔ اوپر کا واقعہ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔ ایسے شاندار محل اور جاہ و جلال کا چھوڑنا مشکل و محال تھا مگر جب اس کے دو عیب سامنے آگئے تو اس کی کوئی قیمت نہ رہی۔ بات صرف محل کی نہیں اس دنیا کی ہر چیز میں یہی دو عیب ہیں سوائے اعمال خیر کے کیوں نہ ہم اس چیز کو اپنائیں جس میں یہ دو عیب نہیں، وہ ہے فکر آخرت، زندگی کا احتساب اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا انجام حسرت اور ماتم کے سوا کچھ نہیں۔ ع

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

قیامت اور علم جدید!

محمد شہاب الدین ندوی

پھر موصوف نے چند سطروں کے بعد یہ لکھا ہے:

”ایک بار سورج کے ایک عام حادثہ ستارہ بننے کے امکانات کافی روشن ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نظام شمسی کے کم از کم بیس ستارے ہر سال پھٹتے ہیں، اب چونکہ اس کائنات کی عمر دو ارب سال ہے اس لئے اس عرصہ میں چالیس ارب ستارے پھٹ چکے ہوں گے۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۲۰۔۲۲۱، اردو ترجمہ)

قیامت کیا ہے: اس موقع پر طبعی طور پر ذہن میں ایک اور سوال یہ ابھر آتا ہے کہ سائنٹفک نقطہ نظر سے قیامت کا مفہوم کیا ہے؟ آیا حسب بالا کے متعلق ہر ستارے اور ہر نظام شمسی کی قیامت الگ الگ ہوگی یا کوئی ایسی ہمہ گیر قیامت برپا ہوگی جس میں یہ سارا سلسلۂ وجود درہم برہم ہو جائے گا؟ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ہماری کائنات کے ان گنت لاتعداد سورجوں میں سے کسی ایک سورج کی موت بھی اس کے پورے نظام شمسی کے لئے قیامت کا حکم رکھتی ہے، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی سبب سے پورا عالمگیر قانون تجاذب یک بارگی درہم برہم ہو جائے اور تمام اجرام سماوی آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں جس کے نتیجہ میں ”ہمہ گیر قیامت“ برپا ہو جائے۔

بہرحال مذکورہ بالا سوال کو ذہن میں رکھ کر جب ہم قرآن حکیم کے ابدی صفحات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ ہماری کائنات میں ایک زبردست دھماکہ ضرور ہونے والا ہے جس کی رو سے تمام ستارے و سیارے خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ کر فنا ہو جائیں گے ہیبت ناک اور ہیبتناک قسم کے دھماکوں سے سارا عالم وجود گونج اٹھے گا۔ آسمان شق ہو جائے گا۔ زمین لرز جائے گی اور ستارے تکنوں کو ایک تتر بتر ہو جائیں گے۔ پھر حشر و نشر اور پھر نوع انسان کے محاسبۂ اعمال کے لئے ارض و سماوات دوبارہ نئے سرے سے بنائے جائیں گے۔

اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت
اور جب سورج بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے پراگندہ ہو جائیں گے۔ (التکویر ۱-۲)

اذا السماء انفطرت و اذا الکواکب انتثرت
جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے (الانفطار: ۱-۲)

فاذا النجوم طمست و اذا السماء فرجت
پس جب ستارے مٹا دیے جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا (المرسلات: ۸-۹)

یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوٰت وبرزوا للہ الواحد القہار:
جس دن کہ زمین بجز دوسری زمین لائی جائے گی اور تمام اجرام سماوی بھی بدل دیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ کی بارگاہ میں ظاہر ہو جائیں گے جو یکتا اور زبردست ہے (ابراہیم: ۴۸)

یا ایہا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم:
لوگو! اپنے رب سے ڈرو وقت موعود کا دھماکہ یقیناً ایک زبردست حادثہ ہوگا۔ (حج: ۱)

یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین:
جس دن کہ ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس طرح مختلف کتابوں کا پلندہ تہہ کیا جاتا ہے، ہم اس کو اس کی آفرینش اول حالت پر لوٹا دیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اس کو کر کے رہیں گے۔ (انبیاء: ۱۰)

قرآن کی دھنداونی: یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جدید سے جدید تر تحقیقات اور نئے نئے انکشافات کی بدولت جو بھی حقائق منظر عام پر آتے جائیں گے اور ان کی روشنی میں جو بھی مسائل اور شکوک و شبہات وغیرہ سر اٹھاتے جائیں گے ان سب کا ازالہ کتاب اللہ سے یقیناً ہوتا رہے گا اور قرآن حکیم کی زندہ جاوید آیات کے نئے نئے پہلو نمایاں ہوتے جائیں گے۔ قرآن مجید کی یہ ایک زبردست خصوصیت ہے کہ وہ کسی بھی دور میں انسان کو کائنات کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے نہیں دیتا بلکہ قدم قدم پر اس کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

بانگ درا: خلاصہ بحث یہ کہ سائنسی نقطۂ نظر سے قیامت کا وقوع صرف ایک امر ممکن ہے بلکہ وہ ایک خوفناک اور بھیانک حادثہ ہوگا جس کے اثر سے بڑے بڑے جاندروں کا پتہ بھی پانی ہو جائے گا۔

یوم ترونہا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملہا وتری الناس سکاریٰ وما ھم بسکاریٰ ولکن عذاب اللہ شدید:

جس دن کہ تم (اس دھماکہ کو) دیکھو گے اس دن ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا۔ اور تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔ (حج: ۲)

تفصیلات بالا کی رو سے مستقبل کے متعلق کوئی بھی پیشین گوئی ممکن نہیں ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اگلے چند ہی گھنٹوں میں یا چند ہی دنوں میں یا چند ہی برسوں میں یا چند ہی صدیوں میں قیامت برپا ہو جائے۔ امکان تو ہر حال موجود ہے لہٰذا نوع انسانی کو اپنی خیر مناتے ہوئے اپنے اعمال کی درستی اور اپنے کردار و کریکٹر کے بناؤ کی طرف فوری توجہ کرنی چاہئے۔

صدق اللہ مولانا العظیم

ازفت الآزفۃ لیس لہا من دون اللہ کاشفۃ افمن ہذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون فاسجدوا للہ واعبدوا

یہ بھی ایک ڈراوا ہے اگلے ڈراوؤں میں سے قریب آنے والی چیز بالکل قریب آپہنچی۔ اس کو (قیامت کو) ظاہر کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ کیا تم اسی بات پر تعجب کرتے ہو؟ اور روتے نہیں بلکہ ہنستے ہو؟ اور حال یہ کہ تم بدمست ہو کر کھیل کود رہے ہو؟ اگر تم میں عبرت پذیری کا مادہ ہے تو پھر اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ اور اسی کی عبادت و بندگی میں لگ جاؤ۔ (نجم: ۵۷-۶۲)

القارعۃ ما القارعۃ وما ادراک ما القارعۃ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعہن المنفوش فاما من ثقلت موازینہ فہو فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ہاویۃ وما ادراک ماھیہ نار حامیۃ

دستک دینے والی کیا چیز ہے دستک دینے والی! اور تجھے کیا خبر کہ دستک دینے والی چیز کیسی ہے؟ وہ ایسی چیز ہے کہ جب وہ آئے گی تو انسان ٹڈی پروانوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر جس کے نامۂ اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا۔ اور جس کے نامۂ اعمال کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور تجھے کیا خبر کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (سورۂ قارعہ)

منی آرڈر کوپن پر پتہ صاف اور خوشخط تحریر کریں
نیز نمبر خریداری کا حوالہ ضرور تحریر کریں

دہلی کے ندویوں کا اجتماع

(عبداللطیف اعظمی)

دہلی کے مقیم ندویوں کی ایک انجمن عرصہ سے قائم ہے، جس کے بارے میں ایک مراسلہ تعمیر حیات کی کسی گذشتہ اشاعت میں شائع ہو چکا ہے اس انجمن کے جلسے وقتاً فوقتاً پابندی کے ساتھ دلی کے مختلف مقامات پر ہوتے رہتے ہیں ان جلسوں کا بڑا مقصد باہمی ملاقات ہے مگر وقت اور حالات کے لحاظ سے ان جلسوں میں یا اجتماعات کے موقع پر ندوے کے مقاصد، اس کی تعلیمی حالت اور کیفیت، ندوے کی علمی اور تعلیمی خدمات اور اس کے بزرگ اساتذہ کے علمی کمالات اور ان کے فیوض پر بھی گفتگو ہوتی ہے اور ملک کے دوسرے علمی اور تعلیمی مسائل پر بھی بات چیت ہوتی ہے۔ بارہا اس کی کوشش کی گئی کہ ان جلسوں میں ایسے مضامین لکھ کر پڑھے جائیں جن میں فاضل مضمون نگار اپنے زمانے کے ندوے کے حالات پر روشنی ڈالیں اور اپنے ذاتی تاثرات پیش کریں، مگر بدقسمتی سے اب تک اس کوشش میں کامیابی نہیں ہو سکی۔

۱۳ دسمبر کو حسب معمول اس انجمن کا ماہانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں پہلی مرتبہ مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی نے شرکت کی۔ مولانا محترم نے نشست کے آخر میں اس پر زور دیا کہ اس انجمن کے جلسوں میں کسی نہ کسی علمی مسئلے پر کوئی مختصر مضمون بھی پڑھا جانا چاہیے۔

انہوں نے فرمایا کہ مختلف ندویوں کا جو دلی کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اکٹھا ہونا آپس میں ملنا جلنا اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کرنا اپنی جگہ مفید و ضروری ہے، مگر اسی قدر کافی نہیں ہے۔ اس خیال کی تحریک اس سے قبل بھی بار بار ہو چکی تھی، مگر کوئی عملی قدم اٹھایا نہیں جا سکا۔ اس مرتبہ یہ خیال زیادہ شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا اور مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی کو اصرار کر کے اس پر راضی کر لیا گیا کہ اگلے جلسے میں وہ کوئی مضمون ضرور پڑھیں گے۔ راقم الحروف کو اسے بھی کہ وہ اپنے دور کے ندوے پر مضمون پڑھیں۔ اور اس طرح دوسرے ندوی بھی اپنے اپنے دور کے ندوے پر پڑھیں تاکہ ندوہ کی ایک تاریخ مرتب ہو جائے۔ مگر مولانا محترم اس موضوع پر لکھنے کے لئے راضی نہ ہو سکے، اس کے بجائے انہوں نے اپنے استاد اور ندوے کے شیخ الحدیث اور مہتمم مولانا حیدر حسن خاں مرحوم پر مضمون پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ یہ موضوع بھی بہت پسند کیا گیا، کیونکہ ندوے کے مختلف اساتذہ پر اگر مضامین لکھے گئے تو یہ بھی بہت مفید کام ہوگا۔ طے پایا ہے کہ انجمن کا اگلا جلسہ ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء (بروز اتوار) منعقد ہوگا، جس میں مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی اپنا یہ مضمون پڑھیں گے۔

اس جلسہ میں حسب ذیل ندویوں نے شرکت کی۔

(۱) مولانا عبدالسلام قدوائی (۲) مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی (۳) مولانا ابوبکر حسنی (۴) جناب عبدالخالق نقوی (۵) جناب حفیظ الدین (۶) جناب محمد حسین حسان (۷) جناب عبدالحکیم ندوی (۸) جناب محمد شمیر ندوی۔ (۹) ڈاکٹر مشیر الحق (۱۰) مولانا واضح ندوی۔ (۱۱) مولانا محمد اجتباء حسینی (۱۲) ڈاکٹر معین الدین (۱۳) جناب منظر عالم ندوی۔ (۱۴) جناب خالد حسنی (۱۵) مولانا محمود الحسن ندوی (سکریٹری) (۱۶) عبداللطیف اعظمی۔

بقیہ اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ

اور تفریح بن جاتا، جہاں حاجی سیاح کی طرح جاتا اور تاریخی مقامات کی سیر کے بعد اسی طرح خالی ہاتھ واپس آتا۔

اس خطرہ کے سد باب کے لئے شریعت نے حج کو سنجیدگی اور تقدس کا ایک ایسا رنگ عطا کیا ہے جو کبھی اتر نہیں سکتا، اس نے اس کے چاروں طرف ایسی فصیل کھڑی کر دی ہے اور ایسی حفاظتی خندقیں کھود دی ہیں جن کی وجہ سے غفلت و ذہول، لہو و لعب اور فضول چیزوں کو اس کے اندر داخل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے اس کے لئے اس نے ایسے حکیمانہ اور دقیق احکام دیئے ہیں جو زندگی پر حج کی گرفت مضبوط کرنے اور اس کو اصلاح و تربیت کے ایک رکن اور تقرب الی اللہ کے ذریعہ کی حیثیت سے باقی رکھنے کی پوری طرح ضامن اور ذمہ دار ہیں۔

اس نے سب سے پہلے اس کو اسلام کا چوتھا رکن قرار دیا ہے اور جو اس کی شرطیں پوری کر سکے اس کے لئے ایک ایسا فریضہ قرار دیا ہے جس سے نہ کسی حالت میں صرف نظر کیا جا سکتا ہے نہ اس کا کوئی بدل ممکن ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ (اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لئے اس مکان کا یعنی اس شخص کے ذمہ جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے)

صحابہؓ اور قرآن

(از ابوالاسرار رمزی۔ جودھپور)

دورِ حاضر کے مسلماں ہر جگہ پامال ہیں
چھوڑ کر تعلیم قرآں یہ پریشاں حال ہیں

کتنی صدیاں ہو گئیں قرآں کو چھوڑے ہوئے
اہل قبلہ اپنے قبلہ سے ہیں منھ موڑے ہوئے

ہم نے قرآں کو اٹھا کر رکھ دیا بالائے طاق
وہ پڑھا کرتے تھے ہر آیت بچشم اشتیاق

ہم طلب کرتے ہیں اس کو خیر و برکت کے لئے
وہ طلب کرتے تھے اس کو عزم و حرکت کے لئے

ہم فقط الفاظ دہرانے کو سمجھے ہیں ثواب
وہ سمجھتے تھے اسے قانون فطرت کی کتاب

ان بزرگوں نے ہزاروں ہی مسائل حل کئے
ہم نے تاویلوں سے بید اسکیڑوں جنگل کئے

روح تک پہونچے وہ ہم زیر و زبر گنتے رہے
وہ ثمر چکھتے تھے لیکن ہم شجر گنتے رہے

ہم فقط تعداد منزل پہ نظر کرتے رہے
وہ ہمیشہ جانب منزل سفر کرتے رہے

کر دیا قرآں فہمی نے انہیں روشن دماغ
ہم اسے سمجھے ہیں افسوں یا الہ دین کا چراغ

سر پہ رکھتے تھے اسے فرمان شاہی کی طرح
کرتے تھے تعمیل اس کی اک سپاہی کی طرح

مدعا ہو پیروی۔ اوراق گردانی نہیں!
یہ ہے دستور العمل، نقش سلیمانی نہیں!!

ذہنی الجھنیں جسمانی بیماریاں پیدا کرتی ہیں!

(کیتھرین الن)

دو سو سال کی طویل مدت کے بعد آج پھر جسمانی بیماریوں اور ذہنی بیماریوں میں گہرا رشتہ جوڑا جا رہا ہے اور طبی نفسیات کے شہرۂ آفاق ماہرین اس تحریک میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر فلیڈر ڈنبار نے اپنی کتاب تحقیقات سے ہزاروں افراد کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ موصوفہ نے اپنی کتاب میں بیشمار مثالیں دی ہیں۔ ایک مثال لیجئے۔

اسپتال میں ایک ۲۱ سالہ مریض داخل ہوا کچھ عرصہ تک تو اس کی حالت سنبھلتی رہی۔ لیکن پھر حالت بدتر ہوگئی معالج پریشان ہو گیا۔ بغیر کسی جسمانی علالت کے مریض کے سر میں درد شدید درد سے تڑپتا رہتا تھا۔

جب دواؤں سے یہ حالت نہ سنور سکی تو ڈاکٹر نے مریض کا جذباتی مطالعہ کرنا شروع کیا کہ شاید مریض کے بچپن کے ذہنی رجحانات سے موجودہ تکالیف کا پتہ چل سکے۔ اس نے مریض کے بچپن کے حالات معلوم کئے اور جلد ہی اس فیصلہ پر پہونچا کہ مریض کی ذہنی الجھنیں جسمانی بیماری کی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں۔

موصوفہ لکھتی ہیں:۔

مریض جب پانچ چھ سال کا بچہ تھا اس وقت اس کا باپ ایک حادثہ میں زخمی ہو گیا تھا۔ اس حادثہ کے بعد ۱۴-۱۵ برس تک باپ کو سر درد اور متلی کی شکایت رہی۔ جس سے مریض بہت متاثر ہوا۔

۱۸ برس کی عمر میں ایک حادثہ میں مریض کے سر میں چوٹ لگی جس سے کچھ دن تک معمولی سر درد ہوتا رہا۔ اب جب تک ہسپتال میں وہ بستر پر لیٹا رہتا اسے خیال آرائیاں کرنے کے لئے کافی وقت ملتا۔ وہ پریشان ہو اکہ کہیں وہ بھی اپنے باپ کی طرح سالہا سال تک قائم رہنے والا سر درد کا شکار نہ ہو جائے۔ اس خوف نے حقیقی شکل اختیار کر لی۔

ڈاکٹر نے مریض کو بتایا کہ چند سال قبل جب اس کے سر میں چوٹ آئی تھی تو دماغ کے کسی حصہ کو ضرب نہ لگی تھی اس وقت جو درد سر ہوا تھا وہ اس کے خوف کا نتیجہ تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ جب تک وہ ہسپتال میں ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ مصروف رہنے کی کوشش کرے، دوسرے مریضوں سے باتیں کرے، اخبارات اور کتابیں پڑھے۔ کوئی ایسا ہنر سیکھے جس کو وہ بستر پر لیٹے ہی لیٹے سرانجام دے سکتا ہو، مریض نے ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔

موصوفہ لکھتی ہیں کہ ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر سر درد اور متلی ختم ہو گئی، بچپن سے جو خوف اس کے دل و دماغ میں سمائے تھے ان کی جڑیں اکھڑ گئیں۔

اس مریض کے واقعات سے طبی نفسیات کا ایک اصول واضح ہوتا ہے کہ جن بیماریوں کا تعلق جذبات سے ہے، ان کی

اور جذباتی ہیجانات فوراً ہی اپنا اثر نہیں ڈالتے۔ بلکہ کئی کئی سال بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ جب کہ بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور بچپن کے واقعات فراموش ہو جاتے ہیں۔

لیکن درحقیقت یہ حادثے فراموش نہیں ہوتے۔ بلکہ تحت الشعور میں جا چھپتے ہیں اور جوانی کے ان لمحات کا انتظار کرتے ہیں جب کہ ان کو ابھرنے اور دوبارہ سطح شعور پر آنے کا موقعہ ملتا ہے۔ کبھی کبھی ایسے خوف صرف ذہنی بیماریاں جیسے نیوراتی یا پاگل پن کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جن کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

ایسا جب ہوتا ہے جب کہ بچہ کو کوئی شدید دھکہ لگے۔ مثلاً کوئی محبوب ہستی داغ مفارقت دے جائے، اس اچانک موت سے بچہ ایسی بیماریوں کی چھوت میں آ جاتا ہے جو عام طور پر چھوت کی بیماریاں نہیں کہلاتیں۔ مثلاً دل کا درد، شکمی درد وغیرہ۔

بچہ جب کسی محبوب ہستی ماں، باپ بھائی، بہن یا چچا یا ماموں کو کسی بیماری میں مبتلا دیکھتا ہے۔ اور پھر اس بیماری سے اس محبوب ہستی کی موت واقع ہو جاتی ہے تو بظاہر کچھ دنوں کے بعد بچہ اس بیماری کو بھول سا جاتا ہے۔ لیکن سالہا سال کے بعد ۔۔۔ کسی ہیجانی کیفیت میں وہ بھولی بسری یاد دوبارہ ابھر آتی ہے اور نوجوان کو اپنے پنجہ میں جکڑ لیتی ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھئے کہ ایسی بیماریاں محض فرضی ہیں

۔۔۔ جی نہیں ۔۔۔ وہ درحقیقی بیماریوں کی طرح ظاہر ہوتی ہیں مریض درد محسوس کرتا ہے، دل کمزور ہوتا ہے اعصاب مجبور نظر آتے ہیں۔ جس کی تصدیق ڈاکٹری معائنہ سے کی جا سکتی ہے صرف ایک جسمانی حالت کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

مثلاً شکمی درد کو لے لیں۔ ایسے درد کی ابتدا تو بچپن کے کسی واقعہ سے ہوتی ہے۔ بچگی شکمی اعضاء اور پٹھے کمزور ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ مریض شکمی سرطان جیسے موذی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔

اور یہ ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اعصاب اور جسمانی اعضاء کا گہرا تعلق ہو۔ بچپن میں کسی خوف یا حادثہ سے جسم کے بیشتر اعضاء فوری اثر قبول کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ڈنبار نے دل کی بیماری کی مثال پیش کی ہے جس سے کروڑوں انسان دنیا کے ہر حصے میں اپنی جانیں تلف کرتے ہیں۔ خود موصوفہ کئی سال تک ایک ہسپتال میں دل کے مریضوں کا مشاہدہ کرتی رہی ہیں ان کی تحقیق ہے کہ دل کے مریضوں کی پچاس فیصدی مریضوں کی زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے عزیز ترین ہستیوں کو دل کا مریض اور اس کی وجہ سے مرتے دیکھا ہے۔ اس سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دل کی بیماریاں موروثی حیثیت رکھتی ہیں لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی بھولنا نہ چاہیے۔

موصوفہ نے مریضوں کے واقعات کا گہرا مطالعہ کیا تو ۹۰ فیصدی مریضوں نے بتایا کہ ان کی عزیز ترین ہستیاں اس بیماری کا شکار ہوئی تھیں۔ اس دھچکے سے جو خوف مریض کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ موروثی حیثیت سے کہیں زیادہ تباہ کن ہو۔

بیشتر امراض بچپن سے شروع ہوتے ہیں۔ اگر بچوں کی تربیت میں احتیاط برتی جائے۔ ان کو کسی جذباتی ہیجان کا شکار نہ ہونے دیا جائے تو کثیر تعداد میں مہلک بیماریوں کا سد باب ممکن ہے۔

بچوں کو محبت اور آزادی عمل کی ضرورت ہے۔ اگر یہ دونوں ان کو مہیا ہیں تو قوم کے تندرست فرد ثابت ہو سکتے ہیں

(بشکریہ شبستان)

اردو عربی ڈکشنری

مولفہ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ شاندار اردو عربی لغت اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لاجواب ہے ۱۹۵۵ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا۔ اس کتاب کی تالیف پر حکومت یو۔ پی نے مصنف کو گرانقدر انعام دیا تھا۔ یہ ڈکشنری علماء، طلباء، اور عربی زبان کے شائقین سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ خاص کر مدارس کے طلباء کیلئے نہایت بیش قیمت تحفہ ہے۔

(قیمت مجلد بیگزین آٹھ روپے)

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بقیہ اداریہ

ہے اگر ہم کو اوپر آنے اور پانی لینے کی اجازت نہیں تو ہم کشتی میں سوراخ کر لیتے ہیں اور یہیں سے پانی بھر لیا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان بالانشینوں اور بد دماغوں نے ان کو اس حرکت سے باز رکھا تو سب بچ جائیں گے ورنہ کشتی ڈوب جائے گی۔ نہ نیچے والے بچیں گے اور نہ اوپر والے۔

یہ درحقیقت اجتماعی زندگی کی مثال ہے انسانوں کے مسائل ایک دوسرے سے پیوستہ اور ایک ملک میں بسنے والے شہریوں کی قسمت ایک دوسرے سے وابستہ ہو۔ اگر یہ کشتی ایک کی حماقت اور دوسرے کی خاموشی سے ڈوبی تو اس کا کوئی مسافر غرق ہونے سے نہیں بچ سکتا۔

ہم ہندوستانی ہونے کے ناطے سے بھی درحقیقت ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں شتر مرغ کی طرح اس دشمن (اندرونی خطرہ و انتشار) سے آنکھیں بند کر کے اپنے کو محفوظ نہیں دکھ سکتے۔ اور ملت اسلامیہ کی حیثیت سے خاص طور پر جو خدا کے یہاں ہر فساد و صلاح کے ذمہ دار اور جواب دہ ہیں اور اس کی ذمہ داری بحیثیت مسلمان کے عام انسانوں سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ ملک کو اس حال پر چھوڑ دینے اور اس صورت حال سے آنکھیں بند کر لینے کا کوئی جواز نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کو ان حالات کے سدھارنے اور ملک کو صحیح راستہ پر لگانے کے لئے اپنی پوری ذہنی صلاحیتیں اور اخلاقی کردار اور عددی طاقت (جو بیشتر اسلامی ممالک سے زیادہ ہے) استعمال کرنی چاہیے۔ میں ایک بار پھر اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ بعض لوگ مسلمانوں کو یہ غلط مشورے دے رہے ہیں کہ وہ اس ملک کے معاملات سے اپنا دامن بچا کر سکون و اطمینان کے ساتھ تجارت، تعلیم، صنعت و حرفت اور مذہبی تعلیم کے نظام میں مصروف ہو جائیں میں صاف اور واضح الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے دور بلی سے دور تک اس ملک کی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے اور ہو سکے تو ابھی ملک کو تباہی سے بچا سکتے ہیں اور یہ ایسی بھیانک بات ہو گی کہ جو شخص اختیار کرے گا اور اس پر قائم ہو جائے گا جس طرح درست نہیں ان کو اپنا وطن تا ... اس صورت حال میں ...

اور اخلاقی اصول کی پابند ہو اور جس پر انسان دوستی اور سچی حب الوطنی غالب ہو اور کارفرما ہو، جو عہدوں، وزارتوں اور کرسیوں اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو جہاں ضمیر اصولی اور جماعتی وابستگی کے لئے نیلام کی بولی نہ بولی جاتی ہو اور فصل کے میوؤں کی طرح سستے داموں میں خرید و فروخت نہ ہوتی ہو۔ انسان کی جان کی قیمت اور انسان کے احترام کی دعوت و تبلیغ کے لئے ان کو اس روشنی سے کام لینا چاہیے جو اسلام نے ان کو عطا کی ہے اور جس نے ایک انسان کی جان پوری نوع انسانی کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔

(المائدہ)

(جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پیدا کرنے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا۔ اور اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔)

جس نے سارے انسانوں کو خدا کا کنبہ قرار دیا ہو وہ خدا کی نگاہ میں سب سے محبوب اور افضل اس کو ٹھہرایا ہے جو اس خدائی کنبے کے سب سے زیادہ کام آئے۔ احب الخلق الی اللہ انفعہم لعیالہ (الحدیث)

جس کے نزدیک جان دینا ایمان دینے سے زیادہ آسان ہو اور جس کا سودا ہمیشہ کیلئے ہو چکا ہو اور اب وہ دوبارہ بک نہیں سکتا۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جان و مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔

جس کو عقیدے، اصول اور دعوت کی قیمت پر کوئی حکومت یا سلطنت نہیں خرید سکتی۔ جو ہر ایسے خریدار کو صاف جواب دیدیتا ہو کہ

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اگر مسلمانوں نے کوئی مجلس یا جماعت ہندوستان میں قائم کرتی ہے اور سیاست کی اس بدنام اور پر خطر وادی میں اپنی راہ نکالتی ہے ... کی ان بیماریوں کا کوئی علاج تجویز کرتی ہے تو اس کے ... میں ... ہو تو اپنی ...

ساتھ بھی انصاف کرتی ہے اور ملک کی اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو بھی بچاتی ہے جس میں اس کا وہ عظیم اثاثہ رکھا ہوا ہے جو مشکل سے کسی دوسرے مسلمان ملک کے پاس ہو گا۔ اور جس سے آئندہ نسلوں کی بھی قسمت وابستہ ہے جن کو اسی ملک میں پیدا ہونا اور گذرنا

ہے اگر آپ انھیں مقاصد اور عزائم کیساتھ جمع ہوئے ہیں تو ہماری نیک تمنائیں اور مخلصانہ دعائیں آپ کے ساتھ ہیں سے

اور دل کا جو پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمندوں کا طرز کلام اور ہے

دلچسپ معلومات

ریڈیائی آنکھ

جنوب مشرقی آسٹریلیا میں بہت جلد ایک ایسی ریڈیائی آنکھ استعمال ہونے لگے گی جس کے ذریعہ خلا میں بہت دور تک دیکھا جا سکے گا موجودہ ریڈیائی دوربین سے جتنی دور تک نظر جا سکتی ہے اس کے مقابلہ میں ریڈیائی آنکھ کے ذریعہ دس گنا زیادہ دوری پر بھی دیکھنا ممکن ہو جائے گا۔ اس ریڈیائی آنکھ کی تیاری پر تقریباً آٹھ لاکھ پونڈ صرف ہوں گے۔

حسب منشا درخت اگانے کا طریقہ

برطانیہ کے محکمۂ جنگلات کے تحقیقاتی شعبے نے ۱۷ برسوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد ایک ایسا بیج دریافت کیا ہے جس سے حیرت انگیز نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

یہ بیج نیوٹن کے ایک کارخانے میں اگائے گئے ہیں اور انھیں اسی طرح سے کچھ انداز میں تیار کیا گیا ہے کہ ان کو بو کر حسب منشا درخت اگائے جا سکیں۔ نہ صرف حسب منشا، بلکہ یہ درخت عام درختوں کی نسبت کم وقت میں پروان چڑھ سکتے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ چونکہ بے شمار درخت طرح طرح کے کیڑوں کی نذر ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسے بیج تیار کیے جانے چاہییں جو درختوں کو مقابلتاً زیادہ طاقت عطا کریں۔ اس مقصد کے پیش نظر یہ بیج تیار کیے گئے ہیں ان تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ بیس یا تیس برسوں میں ایسے درخت پیدا ہونے ممکن ہو جائیں گے جنھیں کسی قسم کا کیڑا لگنے کا اندیشہ نہ ہو گا اور جو لمبائی میں ... کم وقت میں پھل دینے لگیں گے

اور حسب منشا اگائے جا سکیں گے۔

آواز سے دوگنی رفتار کے ہوائی جہاز

امریکہ کی جنرل ڈائنامکس کارپوریشن اینڈ گرومن ایرکرافٹ کمپنی کو ابھی حال ہی میں ایسے ہوائی جہاز بنانے کا ٹھیکہ ملا ہے۔ جو آواز سے دوگنی سے بھی زیادہ رفتار سے چلتے ہیں۔

پلاسٹک کے مکان

پلاسٹک برسوں تک نرم و نازک کھلونے اور آرائشی اشیاء کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے لیکن اب مغربی جرمنی میں پلاسٹک کے بہت بڑے بڑے مکانات بنانے کا تجربہ شروع کر لیا گیا ہے۔ ان کی دیواریں اور چھتیں مکمل طور پر پلاسٹک کی بنی ہوئی ہیں پلاسٹک کے مکانوں کو نہ پتھر مارنے سے اور نہ ہی آندھی یا طوفان سے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

سیرت

مولانا سید محمد علی مونگیری رح

(بانی ندوۃ العلماء)

از:- محمد الحسنی

مدیر:- البعث الاسلامی و تعمیر حیات

ندوۃ العلماء کے محسن اور صاحب اس کی کردار اور تاریخ اس کی خدمات اور خصوصیات اور اس کے بانی و اولین رہنما کے سوانحیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ معیاری کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عالمِ اسلام

یوگنڈا میں اسلام اور مسلمان

عربی سے ترجمہ

عبید المختار انصاری

یوگنڈا مشرقی افریقہ کا ایک ملک ہے اس کے شمال میں سوڈان، مشرق میں کینیا، مغرب میں کانگو (کنشاسا) اور جنوب میں تنزانیہ اور مشہور وکٹوریہ جھیل واقع ہے خط استوا اس کے وسط سے ہو کر گذرتا ہے۔ یوگنڈا کی بلند سطح اور مسلسل موسلادھار بارشوں نے یہاں کی آب و ہوا کو مرطوب بنا دیا ہے جس کی وجہ سے یہاں ہمیشہ ہریالی نظر آتی ہے۔

۱۹۶۲ء میں یہ ملک برطانیہ کی تقریباً ستر سالہ غلامی سے آزاد ہوا اور جمہوریت اختیار کیا اور برطانوی دولت مشترکہ کا ممبر بنا۔

یوگنڈا کا رقبہ تقریباً ۹۴۰۰۰ مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی تقریباً ۸ ملین ہے، اکثریت کا ذریعہ معاش کاشت ہے بہت سے لوگ انگریزوں کے فارم پر محنت مزدوری کر کے اپنا گزارہ کرتے ہیں کچھ معمولی درجہ کی چھوٹی صنعتیں بھی پائی جاتی ہیں۔

یوگنڈا کے مرکزی شہر اور دار الحکومت کی آبادی پچاس ہزار ہے اسی کے قریب شہر عنتبہ بھی ہے جو اپنے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے لئے مشہور ہے۔

تاریخی پس منظر:- یوگنڈا میں اسلام کی اشاعت تقریباً ایک سو بیس سال قبل چند عربی اور افریقی مسلمانوں کے ذریعہ ۱۸۵۱ء میں ہوئی اس وقت وہاں کا حاکم بادشاہ (سونا) تھا جو ان لوگوں کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اس کے بعد بادشاہ "موتیسا اول" کے زمانے میں اسلام کو عروج حاصل ہوا یہ آخری اسلامی کارنامہ ان دو عرب مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پایا جو ۱۸۶۰ء میں یوگنڈا پہونچے تھے۔ اس کے بعد وہاں اہل یورپ کی آمد و رفت شروع ہوئی ان لوگوں نے وہاں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا کبھی بادشاہ وقت پر زور ڈال کر اور کبھی قبائلی جنگوں کو ہوا دے کر اسلام کی اشاعت کو روکنے کی کوشش کی۔ اور بالآخر بادشاہ (کابا کا) کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے اپنے مشیر خاص سینائل کے ورغلانے کی وجہ سے بیس مسلمانوں کو پھانسی چڑھا دیا۔

یوگنڈا میں عیسائیوں کی اسلام دشمنی کے باوجود اسلام برابر پھیلتا رہا ۱۸۸۸ء میں وہاں کا حاکم کیما ہوا یہ بڑا ہی غیور مسلمان تھا اور اس کی کوششوں سے اسلام کی ترقی میں مزید اضافہ ہوا اس کے بعد اس کا جانشین (نوح مبوگو) ہوا اور اس نے بادشاہ کا لقب چھوڑ کر "زعیم المسلمین" کا لقب اختیار کیا اور اسلام کی اشاعت کے لئے بہت کوشش کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے بھی یہی لقب اختیار کیا اور اسی کے راستہ پر چلتا رہا۔

انیسویں صدی کے آخر میں یوگنڈا برطانوی نو آبادی بن گیا اور انگریزوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ عیسائیوں نے اپنے حکومت کے اثرات سے کام لے کر اور زر کثیر صرف کر کے ایک نئی آبادی قائم کی تاکہ وہاں مسیحی مشن کا کام انجام دیا جا سکے اور اس کے ذریعہ یوگنڈا اور دیگر افریقی ممالک میں اسلام کی اشاعت میں دشواری پیدا کی جا سکے اس کے لئے وہاں گرجا گھر، مشن اسکول، اسپتال قائم کیے گئے برطانیہ کے محکمۂ نو آبادیات نے اس ضمن میں ان کو ہر طرح کے تصرف کے حقوق سونپ دیئے اور ان کی مالی اعانت بھی کی یہ صورت حال ۱۹۶۲ء میں یوگنڈا کے جمہوری ملک بننے اور دولت مشترکہ کا ممبر ہونے کے بعد ختم ہوئی۔ لیکن اس وقت تک عیسائیوں کو مندرجہ ذیل دو باتوں میں کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔

۱:- یوگنڈا کی نصف آبادی تقریباً عیسائی ہو چکی ہے اور اس کا سبب وہ امتیازات اور مراعات ہیں جو وہاں کے عوام کو عیسائیت قبول کرنے کے بعد حاصل ہوئی تھیں۔

۲:- عیسائیت قبول کر کے بہت سے اشخاص صاحب اقتدار اور سیاسی لیڈر بن گئے۔

اس وقت جب ہم وہاں کے مسلمانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یوگنڈا کے مسلمان برطانوی عہد سے کر اب تک دینی دھارے سے بالکل دور ہو چکے ہیں۔ اور دیگر اقوام مثلاً مسیحی مشن کی تمام کوششیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ مسلمان ہمیشہ فقر و افلاس اور بیماری و جہالت کے شکار رہیں۔

موجودہ صورت حال:- یوگنڈا کی آٹھ ملین کی آبادی میں سے تین ملین مسلمان ہیں اور اس تعداد کو دیکھ کر ہر صاحب عقل وہاں کے مسلمانوں کے بارے میں ایک شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کر سکتا ہے لیکن حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے مسلم وزراء اوسطاً بیس ایک ہے اور یہی اوسط ممبران پارلیمنٹ کا ہے مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی حالت انتہائی پست ہے اور غلبہ صرف مسیحیوں کا ہے جو برطانوی استعمار پسندوں کے حلفاء ہیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان قدیم اختلافات ہیں اور اسی کی وجہ وہ مذہبی جنگیں ہیں جو انیسویں صدی کے آخر میں ہوتی رہیں۔

پوپ ششم نے دو سال قبل یوگنڈا کی سیاحت کے دوران یہ اعلان کیا کہ انیسویں صدی کے آخر میں جو جبیس عیسائی مسلمانوں کے ہاتھوں مذہبی جنگوں میں مارے گئے تھے وہ یقینی طور پر مسیحی بزرگ کا رتبہ پا چکے ہیں۔

اس وقت یوگنڈا میں مسلمانوں کو متحد کرنے والے ذریعہ وہ اسلامی ادارے ہیں جو اسلامی علوم سکھانے کا کام کرتے ہیں۔ ان کے کچھ مدارس ہیں جن میں مسلمان بچے عربی علوم قرآن ان کے علاوہ علم ریاضی اور انگریزی وغیرہ کے علوم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ مدارس ابھی ابتدائی منزل میں ہیں اور ان کے وسائل بھی محدود ہیں۔ ان میں ... لے والے اساتذہ بہت کم ...

کے ہیں کچھ دیگر عرب ممالک ... اور دین کے بعد کچھ دنوں کے بعد حکومت عراق نے ایک مستحسن اقدام کیا، ایک استاذ یوگنڈا کے مدرسہ کو روانہ کیا اور کافی تعداد میں دینی کتابیں بھی روانہ کیں اس کے علاوہ اس نے بارہ طلبہ کو تعلیمی وظیفہ دیکر عراق میں علم حاصل کرنے کے لئے بلایا۔ ان میں سے پانچ کا وظیفہ اوقاف سے ہے اور بقیہ سات کا وزارت تعلیم سے ہے۔

اسرائیلی اثرات:- یوگنڈا میں اب بھی اسرائیل کا کافی اثر و رسوخ پایا جاتا ہے جیسا کہ برطانوی استعماری عہد میں خود یوگنڈا اور افریقی ممالک میں تھا۔ اسرائیل وہاں کے تمدن و ثقافت پر بھی اسی طرح اثر انداز ہے جس طرح اسرائیلی فنکار مختیر کار یوگنڈا کی حکومت میں خیل ہیں۔ وہاں کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یوگنڈا کے مسلم طلبہ کی ایک بڑی تعداد اسرائیل سے تعلیمی وظیفہ پا جاتی ہے۔

یوگنڈا اور بقیہ افریقی ممالک کے مسلمان ایک بڑی دولت ہیں لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم ان کے راہ و رسم بڑھائیں اور اس اسلامی رشتہ کو مضبوط کریں۔ ان کے لئے مدرسین فراہم کریں جو ان کو دینی تعلیم دیں ایسے علماء کو ان کے یہاں بھیجیں جو ان کو دین کی دعوت دیں نیز وہاں کے طلبہ کو تعلیمی وظیفے دے کر زیادہ سے زیادہ علم دین حاصل کرنے کے لئے بلائیں۔

کمپالا میں اس وقت دو ندوی فاضل مولوی ... حسنی ندوی اور مولوی ابو الفاروق ندوی کام کر رہے ہیں۔ اور اشاعت اسلام اور تعلیم دین کی خدمت میں مصروف ہیں اور امید ہے کہ ان حضرات کی کوششوں سے اس علاقہ والوں کو بہت دینی نفع ہو گا۔"

بقیہ شاہ عبد العزیز

وہ دوح سے بر ... خالی ہوتا جا رہا تھا اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا دیرینہ وقار خاک میں ملتا جا رہا تھا۔ یہ آپ ہی کی عظیم شخصیت تھی کہ جس نے مسلمانوں کو اس روش سے پھر کر اسی رخ پر لگا دیا جس رخ پر قرون اولیٰ کے مسلمان گامزن تھے ـــــ آپ کی ہستی ہندوستان والوں کے لئے ایک قابل فخر شخصیت ہے جس پر وہ جتنا فخر کریں کم ہے۔

۲۳۱۲
۴۲۲۹

شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات

۱۱ ذوقعدہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسہ

Regd No. L 1981
FORTNIGHTLY
Phone 22948

TAMEER - E - HAYAT

Darululoom Nadwatulolama, Lucknow. (India)

تذکرہ

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کیے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت Rs 3

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت و تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

معلم الانشاء

از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی

[illegible]

حصہ دوم [illegible] ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) ۲/۵۰

الأدب العربي

بین عرض و نقد

از مولانا محمد رابع ندوی - ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی ادب کی تاریخ اور نقد کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہو جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔ [illegible]

ادب کی حقیقت ✿ تنقید و تجزیہ ✿ ادبی نمونے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے

(قیمت صرف چار روپے)

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow.

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد (۸) شمارہ (۵)

۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۷۱ء
مطابق
۱۱ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۰ھ

چندہ
سالانہ ۸ روپئے
ششماہی ۴ روپئے
فی کاپی ۳۵ پیسے

مسلمانوں کو سیاست کی پرخار وادی سے نئی راہ نکالنی چاہیئے

از :- مولانا ابو الحسن علی ندوی

۱۹ اور ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو دہلی میں منعقد ہونے والی آل انڈیا مسلم پولیٹیکل کنونشن کے لئے مجھ سے ایک پیغام کی فرمائش کی گئی ہے۔ علمی و جماعتی سیاسیات سے دور مجھ ایسا طالب علم اور گوشہ نشین انسان انہی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر سکتا ہے جن کے ادراک کے لئے ایک خدا پرست اور مذہبی ذہن و عقل سلیم کافی ہو سکتی ہے۔ اور جو روزمرہ کی زندگی کے ہر شعبہ اور راستہ کے ہر موڑ پر نظر آتی ہیں۔ اگر ان اشاروں میں کوئی جذبات یا ذہانت نظر آئے تو اس کے لئے پیغام دینے والا قابل ملامت نہیں وہ حضرات شکایت کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کا انتخاب کیا۔

تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے جس کو اپنے ملک کی تاریخ سے خصوصی دلچسپی ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ملک اس وقت ایسے خطرے سے دوچار ہے جو قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں کبھی سیکڑوں اور کبھی ہزاروں برس کے بعد میں پیش آتا ہے اور جس کے نتیجہ میں اکثر اوقات کسی ملک یا قوم کی قسمت پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ یہ خطرہ کسی بیرونی طاقت کے حملہ آور ہونے یا کسی بیرونی ناپسندیدہ اور مہذب اقتدار کے حوالہ کر دئے ہوئے شرمندہ اور معذرت خواہ ہونے کے خطرے سے کم نہیں اس لئے کہ وہ ایک غیر فطری اور مصنوعی صورت حال ہے جو زیادہ دن تک برقرار نہیں رہتی۔ اور دنیا میں اس کی نظیریں ہیں کہ کبھی کسی قوم نے مستقل طور پر غلامی اختیار کر لی ہو لیکن یہ اندرونی خطرہ خود اپنا پیدا کیا ہوا اپنے اعمال اور کردار کی سزا اور قانون فطرت ہے۔

"خدا نے چہرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں"

یہ خطرہ کیا ہو؟ انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی قیمت کے احساس کا نہ ہونا اور ذاتی یا جماعتی مفاد کو ملک و وقت کے مفاد پر ترجیح دینا یہ وہ روگ ہیں جو ہماری ملکی و قومی زندگی کو تپ دق کی طرح لاحق ہو گئے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات ہوں یا سیاسی پارٹیوں کی کشمکش دولت و حکومت حاصل کرنے کے لئے اندھی اور دیوانہ وار دوڑ ہو یا بچوں کے کھیل اور درندے کی طرح دل بدلی ہر چیز سے انہیں دونوں حقیقتوں کا اظہار ہوتا ہے کہ انسان کی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور ملک کی عزت و وقار اور سلامتی و استحکام کا سوال نہیں اس طرح بد عنوانیوں اور سیاسی بے اصولیوں کو دیکھ کر کسی کسی وقت یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز مر گئی ہے۔ صرف دو چیزیں زندہ ہیں ایک تعصب و نفرت (خواہ کسی فرقہ سے ہو یا کسی ذات برادری یا مخالف و حریف سے) دوسرے دولت و حکومت کی کرسی کی محبت اور وہ کسی کی محبت اور بلا کسی شرط اور قید اور بلا کسی شرم و حیا کے ان کے اصولوں کو [illegible]

[illegible]

ہو گیا ہے محکموں میں رشوت بازاری کا بازار گرم ہو، شہریوں اور ہم وطنوں سے غیر ہمدردانہ رویہ کا ایسا رواج بڑھ چکا ہے۔ افراد ہوں یا فرقہ اور اقلیتیں ان کے حقوق کی پامالی اور ان کی خواہشات و مطالبات سے چشم پوشی کا ایسا دور دورہ ہو کہ باعزت اور خود دار قوم کو جس بات کے تصور سے گھن آنی چاہیے اور جس بات کے کہنے کے مقابلہ میں مر جانا بھی آسان معلوم ہوتا ہو وہ بات اب دلوں اور دماغوں سے آگے بڑھ کر اب زبانوں پر آنے لگی ہے۔ مجھے اس بات کو دہرانے سے بھی شرم آتی ہو لیکن اس کے بغیر صورت حال کی سنگینی کا اندازہ مشکل ہے اس لئے اس کو مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ایک طرف افراد ایسے غیر مطمئن اور غیر یقینی صورت حال میں زندگی گذار رہے ہیں کہ وہ کبھی کبھی انگریزوں کا دور غلامی یاد کرنے لگتے ہیں کہ وہ بھی زمانہ اچھا تھا دوسری طرف اقلیتیں اتنی غیر مطمئن ہیں اور ان کو اپنے مستقبل اور اپنی آئندہ نسلوں کے متعلق ایسے خطرات محسوس ہونے لگے ہیں کہ ان کو کسی کسی وقت اس جمہوریت کی معقولیت اور افادیت میں شبہ ہونے لگتا ہے جس میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور وہ سوچنے لگتی ہیں کہ اس وقت زیادہ محفوظ کون سا باب ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ کسی ملک میں اس سے بڑھ کر بد قسمتی اور آزادی کے بعد ملک کی سیاسی رہنمائی کرنے والوں اور نظم و نسق سنبھالنے والوں کی اس سے بڑھ کر نا اہلیت کی دلیل اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس عزیز وطن کی آزادی کے لئے جنگ آزادی اور ان عظیم قربانیوں کی قدر و قیمت میں شک و شبہ پیدا کریں جو آزادی کے حصول کے لئے پیش کی گئیں۔

بہر حال اس وقت ہمارا ملک تباہی کے عمیق غار کے کنارے کھڑا ہے [illegible] اس ملک کے سب فرقے خواہ ان کی زبانیں ان کے مذہب ان کا کلچر ان کی امنگیں اور آرزوئیں کچھ بھی ہوں وہ ہندو اور مسلمان سکھ عیسائی اور پارسی مذاہب کے پیرو اور خدا کے منکر سب اس وقت ایک ایسی کشتی میں سوار ہیں جس میں ایک رخنہ سوراخ ہو گیا ہے، سمندر میں موج ہے اور کشتی کے ملاح اور کھیون ہار آپس میں دست بگریباں۔ خدا نخواستہ کشتی اگر ڈوبی تو نہ ہندو بچیں گے نہ مسلمان، نہ سکھ نہ عیسائی، نہ پارسی نہ کانگریس نہ سنگھ نہ سوتنتر نہ کمیونسٹ نہ مسلم مجلس نہ مسلم لیگ۔

اس موقع پر مجھے وہ بلیغ و حکیمانہ مثال یاد آتی ہے جس میں نبوت کا اعجاز اور زندگی کی ابدی صداقت جھلکتی ہے وہ مثال جو عرب کے امی پیغمبر نے (اللہ کے بے شمار درود و سلام ہوں ان پر) ساتویں صدی عیسوی کی محدود دنیا اور عرب کی محدود سوسائٹی میں دی تھی کہ ایک کشتی ہے چند مسافر سوار ہیں اس کشتی میں دو طبقے ہیں ایک بالائی دوسرا زیریں۔ پانی کا انتظام بالائی طبقہ میں ہے نیچے والے طبقے اوپر سے پانی لاتے ہیں اور اوپر والوں کو دقت پیش آتی ہے ان بالا نشینوں نے احتجاج کیا اور کہا کہ ہم [illegible]

"جس نے ستایا اس نے دعا لی"

از :- مولانا محمد ثانی حسنی مدیر رضوان لکھنؤ

سارا جہاں تھا نور سے خالی — کفر کی شب تھی کالی کالی
گہرا سمندر موجیں بلا کی — ایک تھی کشتی ڈوبنے والی
بھیجا خدا نے ایک نبی کو — ڈوبتی کشتی جس نے نکالی
سارا عالم ہوگیا روشن — بھٹکے ہوؤں نے راہ بھی پالی
نام محمدؐ کتنا پیارا — ذات گرامی کتنی عالی
حسن سراپا خلق مجسم — اپنے پرائے سب کے والی
چاند بھی دم بھر تاب نہ لائے — آپ کا چہرہ اتنا جمالی
جان کا دشمن پھر بھی محبت — جس نے ستایا اس نے دعا لی
قتل جو کرنے آپ کو آیا — سامنے پہونچا آنکھ جھکالی
فرش سے پہونچا عرش تلک وہ — جس پہ نظر اک آپ نے ڈالی
آپ کی جس میں ہو نہ محبت — دل ہے وہ ایمان سے خالی
نعت نبی میں مست چمن کا — پتہ پتہ ڈالی ڈالی
اپنی اپنی سب کی نظر ہے — کوئی حقیقی کوئی خیالی
تیری نظر میں شیش محل ہے — میری نظر میں نور کی جالی
جس کا وطن بن جائے مدینہ — اس نے قسمت اپنی جگالی
خالق عشق و مہر و محبت — مالک و رحمان بر تر و عالی

صدقہ کرم کا تیرے خدایا
مجھ کو عطا کر عشق بلالی

قرآن کا پیغام

(مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ج وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج

ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے. جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس سے کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے اور (اللہ) اسے کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل سکھا دے گا۔ اور وہ پیغمبر ہوگا بنی اسرائیل کے لئے (اور کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں. میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر اس پر دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

رفع استبعاد کے لئے حضرت مریمؑ کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیے کہ وہی فاعل حقیقی ہے رہے اسباب طبعی وظاہری سو ان کی حیثیت محض واسطہ اور ذریعہ کی ہے۔

کذالک. یعنی مس بشر کے بغیر ہی۔

یخلق ما یشاء. ابھی چند ہی آیتیں قبل ذکر زکریا علیہ السلام اور بڑھاپے میں ان کی اولاد کا آچکا ہے وہاں اس موقع کے لئے جو آیت تھی اس کے الفاظ تھے کذالک یفعل اللّٰہ ما یشاء. وہاں یفعل اور یہاں یخلق کا استعمال محض اتفاقی نہیں مفسر محقق ابوحیان غرناطی نے خوب لکھا ہے کہ وہاں تو ولادت عام سنت الٰہی کے مطابق یعنی مرد و زن کے اتصال سے تھی. اگرچہ وہ مرد و زن سن سے اتر چکے تھے۔ وہاں قدرت الٰہی کے لئے لفظ یفعل بالکل کافی تھا. برخلاف اس کے یہاں عام وجاری سنت الٰہی سے ہٹ کر بغیر مرد و زن کے اتصال کے صرف عورت ہی سے ولادت کا تحقق کرانا ہے. اس لئے یہاں لفظ بھی یخلق لایا گیا جو حق تعالیٰ کی صفت ایجاد اور اختراع پر دلالت کر رہا ہے۔

اور ایسا ہی مفسر آلوسی بغدادی نے بھی لکھا ہے۔

اور صاحب المنار نے اسی کو اور زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔

اور وہ ہو جاتا ہے، خواہ اسباب کے واسطے سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے۔

اس قسم کی آیتیں برابر ان فلسفیوں اور باطل مذہبوں کے رد میں ہیں جو حادث پر قیاس کر کے قدیم کو بھی سلسلہ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔

کن۔ نادانوں نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہو کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا خطاب اس سے کس طرح ہوتا ہے؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں تو موجود ہی ہے. تو اب اس کو حکم ہوتا ہے کہ خارج میں بھی موجود ہو جا۔

یقول لہ کن فیکون. قول کن سے مراد اسی در...

اللہ تعالیٰ کا قول اس کیفیت کے ساتھ ہے جو اس کی شان کمال کے لائق ہے اور جس طرح اس کی تمام صفات کی تفصیلات فہم بشری کی گرفت سے باہر ہیں اس کے قول کی بھی کیفیت کی تفصیل نہیں سمجھی جا سکتی. مراد صرف یہ ہے کہ ارادہ الٰہی اور اس کی تعمیل کے درمیان کوئی شے حائل یا حاجب نہیں۔

قضی امراً. قضاء کے معنی اس سیاق میں تہیہ کر لینے، ارادہ کر لینے کے ہیں۔

(جیسا کہ اللہ کا معاملہ دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی رہتا ہے۔)

یعلمہ. میں ضمیر مفعول ظاہر ہے کہ ولد مریم. یعنی حضرت عیسیٰؑ کی جانب ہے. حضرت کا جو مقام عظمت ان الفاظ سے بیان کرنا مقصود ہے تو ظاہر ہی ہے لیکن خود مریمؑ کی بھی تشفی خاطر کا کتنا سامان ضمناً ہو جا رہا ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ تم غم نہ کرو اور پریشان نہ ہو۔ بے شوہر اولاد کی بنا پر خلق تمہیں جتنا بدنام اور مطعون کرے گی، اس کی تلافی کے لئے اولاد بھی تمہیں کس پایہ کی مرحمت کی جا رہی ہے!

الکتاب. یعنی کتاب سماوی. لفظ کتاب بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔

الحکمۃ. حکمت سے مراد یا تو جمیع امور دین ہیں. (اور اس سے ضمناً اس پر روشنی پڑ جاتی ہے کہ پیمبر دینی تعلیم اپنی کتاب یا صحیفہ کے علاوہ بھی لے کر آتے ہیں) اور یا تہذیب اخلاق۔

(جیسا کہ اب تک ہر پیمبر اپنی اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوتا رہا ہے)

رسولاً. آپ کا مرتبہ پیمبری کا ہوگا نہ آپ معاذ اللہ ساحر و شعبدہ باز ہوں گے جیسا کہ بدتمیز یہود نے آپ کو سمجھا. اور نہ نعوذ باللہ آپ خود خدا یا فرزند خدا ہوں گے جیسا کہ نصرانیوں نے کہہ لیا۔

کہ آپ کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی اور دوسرے بنی اسرائیلی پیغمبروں کی طرح آپ بھی صرف قومی نبی تھے. انجیل تک میں یہ تصریح اتنی تحریفوں کے بعد بھی باقی رہ گئی ہے۔ "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا. بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی. ۱۰: ۵، ۶) اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا (متی. ۱۵: ۲۴)

تقریباً دو ہزار سال کی کلیسا کی ساری طبع سازیوں کے بعد آج بھی خود مسیحی فاضلوں کو اقرار ہے کہ تبلیغ نصرانیت کی یہ عالم گیری ایجاد بندہ ہے ورنہ خود مسیح کے ہاں اس تعلیم کا پتہ نہیں. "مسیح نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا. جلد ۵ صفحہ ۶۳۱ طبع چہاردہم) اور مسیح تو مسیح حواریوں تک کا بھی یہ خیال نہ تھا۔ "اولین شاگردوں کو تعلیم مسیح کی عالمگیری کا احساس نہ ہوا" (ایضاً صفحہ ۶۳۲)

(جیسا کہ دوسرے پیغمبر بھی خدائی نشانیاں لے کر آتے رہے ہیں۔)

جئتکم بایۃ. ایۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں، یہاں معجزہ کے مفہوم میں آیا ہے. معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام و متعارف سلسلۂ اسباب سے الگ ہو. پیمبر کے ذریعہ سے ایسے غیر عادی واقعہ کا وقوع اس امر کی دلیل ہوتا تھا کہ نصرت حق و تائید الٰہی پیمبر کے ساتھ ہے. معجزہ کا فاعل کائنات کے بڑے چھوٹے، معمولی غیر معمولی ہر واقعہ کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے. پیغمبر محض واسطہ یا ذریعہ ہوتا ہے. جو لوگ قادر مطلق کے وجود کے قائل ہیں، ان کے لئے کسی بڑے سے بڑے معجزہ کا نفس امکان تو قابل انکار بلکہ قابل ہی اشتباہ...

صورت نماز یا روح نماز

از مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ دوڑنے لگا ہے کہ نماز کی صورت مقصود نہیں صرف روح مقصود ہے۔ اس میں دو فرقے ہیں. ایک وہ لوگ ہیں جو صورت کو ترک تو نہیں کرتے لیکن مقصود اصلی روح ہی کو سمجھتے ہیں اور صورت کو غیر مقصود سمجھ کر ان کے قلب میں اس کی کوئی وقعت نہیں اور بالکل بے قدر سمجھتے ہیں، دوسرے وہ لوگ ہیں جو صورت کو کسی درجہ میں معمول بہ نہیں سمجھتے ہیں چنانچہ جہلائے صوفیہ نے نماز کی روح نکالی کہ بس ذکر ہے. بس اب اس کی صورت سے آزاد ہو گئے اور اعتقاد کر لیا کہ فقط ذکر کر لینا کافی ہے لیکن جس طرح انھوں نے نماز کی روح نکالی. کبھی اس طرح ان صوفی صاحب نے اپنی روح نکالی کہ آپ کی صورت بھی غیر مقصود ہے. پھر صورت کو غذا، صورت کو لباس کیوں دیتے ہیں. خوب سمجھ لو جس طرح روح صلوٰۃ روح انسان کی غذا ہے، صورت صلوٰۃ صورت انسان کی غذا ہے، پس صورت انسان کو علاوہ اس غذائے طبعی کے ایک یہ غذا بھی عطا فرمائی گئی ہے تو جس طرح تم نے اس غذا کو حذف کیا ہے اس غذا کو بھی حذف کر دو۔ نہ کھاؤ نہ پیو تو ہم جانیں کہ شاہ صاحب واقعی اپنے رنگ کے پکے ہیں کہ ہر جگہ اپنے مذاق کی رعایت کرتے ہیں اس کے کیا معنی کہ نماز کی صورت تو اڑا دو اور اپنی صورت کو پالتے ہو. اگر کوئی چٹ تک بھی کھائے تو شاہ صاحب پاؤ بھر گھی کھاتے ہیں۔ ایک شاہ صاحب کا بہت گھی کھا کھا کے دعوتیں اڑا اڑا کے بہت پیٹ پھول گیا تھا، ایک مرید نے پوچھا کہ شاہ صاحب آپ اس قدر موٹے کیوں ہیں کہنے لگے کہ نفس کتا ہے اور جب کتا مر جاتا ہے تو پھول جاتا ہے۔ اس نے کہا حضور جب یہ مر گیا ہے تو کوڑے پر پھینک دیجئے، مرے ہوئے کتے کو تو کوڑے پر پھینک دیتے ہیں. بس شاہ صاحب چپ رہ گئے، واقعی بہی بڑی ٹھری. وہ مرید کچا تھا آپ کا بھی پیر تھا. سو یہ کیفیت ہے کہ اپنی صورت کو حذف نہ کیا بلکہ اس کے پالنے کے لئے طرح طرح کے جال پھیلاتے ہیں، اور نماز کی صورت کو حذف کر دیا، ایک اور شاہ صاحب تھے وہ بھی نماز نہیں پڑھتے تھے ان کے مریدوں میں مشہور تھا کہ شاہ صاحب مکہ میں نماز پڑھتے ہیں. میرے ایک دوست نے کہا کہ جب نماز وہاں پڑھتے ہیں تو کھانا بھی وہیں کھایا کریں کہ مفت کی ... کچھ نہیں سب جھوٹی باتیں ہیں لوگوں کے نفس پرستی کی وجہ سے ایسی ایسی خرافات گڑھ لی ہیں. ہر حال جہلائے صوفیہ پر تو اس روح کو نکالنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ صورت کو کسی درجہ میں ضروری نہیں سمجھتے اور ... تو نہیں کہ نماز کو فرض نہ سمجھیں مگر یہ ضرور ہوا کہ ان کے قلوب میں ظاہری رکوع و سجود کی وقعت زیادہ نہیں ہے یہ سمجھتے

یہاں تک دیکھتے کہ اس کی کوشش تو کرتے ہیں کہ نماز میں خطرات نہ آئیں مگر تعدیل ارکان اور ادائے سنن کی پرواہ نہیں کرتے. حالانکہ ان کا درجہ اس سے بڑھ کر ہے. حضرت حاجی صاحب کے ایک مرید صاحب کشف تھے یہ خیال ہوا کہ نماز ایسی پڑھنی چاہئے کہ جس میں کوئی خطرہ نہ آوے، فقہائے نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو بغیر آنکھ بند کئے حضور قلب نہ ہو تو آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے. چنانچہ آنکھیں بند کر کے اس طرح نماز پڑھی کہ کوئی خطرہ نہیں آنے پایا. جب فارغ ہوئے تو بہت خوش ہوئے. پھر متوجہ ہوئے نماز کی ہیئت منکشف ہوئی، دیکھا نہایت حسین و جمیل ہے. پھر غور کر کے ایک ایک عضو کو دیکھنے لگے اتفاق آنکھوں پر نگاہ پڑی دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں. بہت پریشان ہوئے حضرت سے آکر عرض کیا، تمام واقعہ مفصل نہیں عرض کیا مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت کی فراست کا فی البدیہہ فرمایا کہ تم نے نماز آنکھیں بند کر کے پڑھی ہوگی پھر فرمایا. گو تم نے اس طرح نماز پڑھی کہ خطرات نہ آئیں مگر آنکھیں بند کر کے پڑھنا سنت کے خلاف تھا. تو آنکھیں کھول کر پڑھنا گو خطرات آئیں افضل ہے اور آنکھیں بند کر کے پڑھنا گو خطرات نہ آئیں مفضول ہے کیونکہ خلاف سنت ہے. حضورؐ کا ہم شکل بننا افضل ہے حضرات اللہ کے نزدیک تو صورت بھی حضورؐ کی مقبول ہے، میرے ایک دوست غور میں وکیل ہیں وہ ایک قصہ بیان کرتے تھے کہ میں کسی شہر میں گیا تھا، راستہ میں ایک بی بی مجھے ملیں اپنے گھر مجھے بلا کر لے گئیں میری بڑی خاطر کی حلوا کھلایا، میں نے پوچھا بڑی بی اس خاطر کا کیا سبب ہے نہ تم مجھے جانتی ہو تھیں. بڑی بی نے کہا، میرا ایک بیٹا تمہاری ہی صورت کا ہے وہ پردیس میں ہے مجھے تمہاری صورت دیکھ کر وہ یاد آ جاتا ہے. پھر جب یہ ادھر سے گزرتے ان کے پاس ضرور جاتے وہ بھی ان کی بہت خاطر کرتی تھی تو خیال کرو وہ بڑھیا ادنیٰ درجہ کی رحیم تھی جب اسے اپنے محبوب بیٹے کی صورت اس قدر پیاری ہے تو حق تعالیٰ کو اپنے رسولؐ کی صورت عبادت کی کیوں نہ محبوب ہوگی. یہ یاد رکھو کہ ولایت تشبہ نبوت کا ہے جتنا زیادہ تشبہ بالنبوۃ ہوگا اس قدر اس کی ولایت میں کمال ہوگا عوام جوش و خروش والے کو زیادہ پسند کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا کامل ہے حالانکہ وہ کامل نہیں البتہ مستعد ہے کامل وہ ہے جو حضورؐ کے مشابہ ہو، ہر ادا ویسی ہی ہو نشست و برخاست خورد و نوش، بنشا بولنا غرض یہ کہ سب باتیں حضورؐ ہی کی طرح ہوں. میں یہ کہتا ہوں حضورؐ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے مگر آپ کو بھی نماز

میں استغراق نہ ہوتا تھا. خود فرماتے ہیں کہ میں یہ سوچ کر کھڑا ہوں کہ آج نماز میں تطویل کروں گا مگر بچہ کی آواز سنتا ہوں تو اس خوف سے مختصر کر دیتا ہوں کہ شاید کوئی بچہ والی عورت نماز میں ہو اور بچہ کی آواز سے پریشان ہو اس وقت عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی مگر جب سے فتنہ کا خوف پیدا ہوا ممانعت ہو گئی تو حضورؐ بچہ کا رونا نماز میں سنتے تھے، معلوم ہوا کہ حضورؐ کو نماز میں استغراق نہ ہوتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں استغراق کچھ کمال نہیں، اس سے ایک اور مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے. آپ فرماتے ہیں مخافۃ ان تفتتن امہ یعنی اس خیال سے کہ اس کی ماں کو پریشانی ہو. معلوم ہوا کہ انبیاء کا کشف دائمی نہیں ہوتا. لہذا اولیاء کا بھی دائمی نہیں ہو سکتا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خشوع استغراق کو نہیں کہتے کیونکہ آپ کی نماز میں خشوع یقیناً ہوتا تھا اور کیونکر نہ ہوتا جب حق تعالیٰ مطلق مومنین کاملین کے باب میں فرماتے ہیں قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون وہ مسلمان یقیناً کامیاب ہوں گے جو اپنی نمازوں میں دل لگانے اور جھکنے والے ہیں، پس جب ایمان کے لوازم سے خشوع ہے تو نبوت کے لوازم سے بدرجہ اولیٰ ہوگا اور حضورؐ کو استغراق نہ تھا. پس معلوم ہوا کہ خشوع اور حضور قلب اور شے ہے. اور استغراق اور شے ہے.

ہر حال جب ان لوگوں نے استغراق کو مقصود بالذات سمجھا تو صورت رکوع و سجود کو بے معنی حرکت سمجھ کر بے قدر کرنے لگے اگر ان سے یہ کہا جاوے کہ رکوع و سجود میں تعدیل کرو جو بتانے آسان ہے کبھی نہ کریں گے اور استغراق کے لئے اس قدر دوڑے پھریں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ اگر وہاں تک پہنچ بھی جاویں تو بہت دشواریاں ہیں وہاں تو یہ حالت ہے کہ

ع خود بخود آں بت عیار ہر جا آید

رکوع و سجود وہ شوخ محبوب بغل میں آ جاتا ہے یہ وہ تو خود ہی متوجہ ہوتے ہیں. حدیث قدسی میں ہے من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقربت الیہ باعاً ومن اتانی یمشی اتیتہ ہرولۃ یعنی جو میری طرف ایک بالشت بڑھتے ہیں میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتے ہیں میں اس کی طرف ایک باع دونوں ہاتھوں کا پھیلاؤ بڑھتا ہوں۔

بگو روز ... مسافت اور دوری ... کہ میں ... راہ چلوں تاکہ ... جس کی مسافت دوڑنے سے قطع نہیں ہو سکتی مگر یہ

(خود بخود بڑھتا جاتا ہے، جیسا کہ انگور کی بیل کاٹنے سے اور بڑھتی ہے) جیسا انگور کو جتنا زیادہ قطع کیجئے اور بڑھے گا اسی طرح یہ راستہ ہے کہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور کسی طرح قطع نہیں ہوتا، ہاں وہ خود قطع کر دیتے ہیں، اس کی مثال محسوسات میں ایسی ہے کہ ایک بچہ جو ابھی کھڑا ہو سکتا ہے چل پھر نہیں سکتا ہے آپ اسے محبت سے پکارتے ہیں کہ آؤ آؤ وہ اگر آپ کی آواز پر متوجہ ہو کر آنے کا قصد کرے تو آپ خود دوڑ کر اسے گود میں اٹھا لیتے ہیں اور اگر وہ التفات نہیں کرتا تو آپ بھی توجہ نہیں کرتے، یہ جانتے ہیں کہ یہ بچہ آ نہیں سکتا مگر پھر بھی بڑے بڑے عقلا اس میں مبتلا ہوتے ہیں تو کیوں ہوتا کہ اس بچے کی طلب و رغبت کا امتحان کرنا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہماری نسبت فرماتے ہیں۔

واللہ یدعوا الی دار السلام (اور اللہ تم سب کو دار السلام جنت کی طرف بلاتا ہے) اس پر یہ شبہ ہو کہ جب ہم اس راستہ کو قطع نہیں کر سکتے تو بغیر بلائے ہمیں قطع کرا دیا ہوتا تو حضور آپ بھی تو اپنے بچہ کو باوجود عقل کے بلاتے ہیں تو کیوں اس لئے کہ محبت کا یہی مقتضا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی رحمت کا مقتضا ہے کہ اپنی رحمت سے بلاتے ہیں اگر کوئی جانے کا قصد کرتا ہے تو خود پہونچ کر اٹھا لیتے ہیں اور اگر کوئی ادھر سے بے التفاتی کرتا ہے تو

انلزمکموھا وانتم لھا کارھون (کیا ہم اسے تمہارے سر پر چپکا دیتے پھر کیا جب کہ تم اس سے نفرت کرتے ہو) وہ بھی بے پروا ہو جاتے ہیں۔

اب معلوم ہو گیا کہ ع

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم

یہ شبہ بھی رفع ہو گیا۔ غرض عشق مجازی میں اصل محل عشق کا روح ہے اور صورت تو واقع میں مردہ ہے جس کے ساتھ رنگ کی وجہ سے عشق ہے اور رنگ روح کی وجہ سے ہے تو ثابت ہوا کہ محبت روح کے ساتھ ہے مگر پھر بھی صورت کی ایسی فریفتگی ہے کہ اس کو دیکھ دیکھ کر کہتا ہے ع

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جہاں بھی نظر کرتا ہوں ہر جگہ محبوب کا کرشمہ میرے دل کا دامن کھینچتا ہے کہ قدر کی جگہ تو یہی ہے)

جس جگہ نگاہ کرتا ہوں دل لگا جاتا ہے، اس کی خوبی دیکھ کر بے اختیار یہ نکلتا ہے ع

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جائے ہے تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں نکلا جائے ہے

یہ تو کی حالت اس کی جواب دیکھ کر یہ حالت ہے کہ دل کھنچتا ہے۔ لوگوں صاحب عاشق ہیں تو آپ روح ہی پر عاشق اس روح کے تعلق کی وجہ سے آپ کو صورت سے محبوب ہے، یہی بات میں سمجھا رہا ہوں کہ بکرت محمد کا رنگ ہے (انہ) ان میں جس طرح تم مشغول

کی آرائش کے دلدادہ ہو اسی طرح اس کی بھی تزئین و تحسین کرو یہ چوری، یہ ہنڈیا، کنگھی چوٹی سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا وہ طریقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتا گئے ہیں، جیسا کہا گیا ہے۔ ع

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

(نباتی محبوب (پودے وغیرہ) پھولوں پھلوں سے سجے نظر آتے ہیں مگر ہمارا محبوب ان ظاہری اور مصنوعی زینتوں سے آزاد ہے وہ تو حسن خداداد سے خود ہی آراستہ ہے)

اس زیور متعارف کی اسے ضرورت نہیں۔ سادگی ہی اس کا زیور ہے کہ اعتدال ہو اس کو توڑو مروڑو نہیں کہ رکوع کیا تو گھر ہی کے لنگر کی طرح اچھلے اور فوراً کھڑے ہو گئے، سجدہ کیا تو اس قدر جلدی کہ اپنے سر میں چوٹ لگی اور مسجد کا فرش بھی ٹوٹا۔ دو شخص تھے، آقا و نوکر، ان دونوں نے آپس میں شرط لگا رکھی تھی کہ دیکھیں کون پہلے فارغ ہوتا ہے۔ نماز شروع کی لگے دونوں صاحب جھٹا جھٹ رکوع و سجدہ کرنے، نماز ختم۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے آپ لوگ قرأۃ، دعائیں اور التحیات وغیرہ گھر سے پڑھ آتے ہیں صرف اٹھنا بیٹھنا رہ جاتا ہے۔ بعضے امت میں بھی ایسا کرتے ہیں، ایک شخص کہتے تھے کہ میں نے ایک امام کی اقتداء کی، انھوں نے نیت باندھی، میں نے بھی نیت باندھنا چاہی، جتنی دیر میں میں نے نیت باندھی وہ رکوع میں چلے گئے میں رکوع میں گیا تو وہ سجدہ میں پہونچ چکے تھے، میں سجدہ میں گیا تو وہ کھڑے ہو چکے تھے۔ غرض میں ان کا ساتھ نہ دے سکا تو نیت توڑ کر علیحدہ ہو گیا۔ افسوس لوگوں نے یہ گت بنائی ہے نماز کی اور اگر کسی کو رحم آ گیا اور اس نے اس کی اصلاح کی تو اس قدر لمبی صورتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہ لوگ اکتا جاتے ہیں۔ رڑکی میں ایک امام تھے، گرمی کا زمانہ مقتدی دھوپ میں جل رہے ہیں مگر انھیں لمبی صورتیں پڑھنے کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ کوئی سورۃ پڑھی کسی نے کہا کہ حضرت کچھ تو ہم لوگوں کے حال پر رحم کیجئے، کہنے لگے یہاں کی دھوپ نہیں برداشت کی جاتی تو وہاں کی دوزخ کی آگ کی کیونکر برداشت ہو گی، سبحان اللہ گویا ان کے نزدیک سب دوزخی تھے اور انھیں دوزخ کا عادی بناتے تھے، نعوذ باللہ کہیں کا، بہرحال یہ وہ حالت ہوئی ع

اگر غفلت سے باز آیا، جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

غرض اعتدال نہیں ہے بڑھو گا ٹیں گے تو اس قدر کہ لوگوں کو عذاب ہو جائے گھٹائیں گے تو اس قدر کہ پھر کچھ نہیں ہو جائے، کہیں افراط کہیں تفریط، وجہ اس کی یہ ہے کہ سنت کا اتباع نہیں نماز روزہ تو بڑی چیز ہے، آپ کے ہر فعل میں اعتدال و انتظام تھا، شمائل

برخاست میں خورد و نوش میں گفتار میں رفتار میں۔ اسی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان خلقہ القرآن (حضور کا خلق قرآن کے مطابق تھا) کہ قرآن میں جو امور مذکور ہیں وہ آپ کے لئے مثل امور طبعیہ عادیہ کے تھے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا تو آپ اپنی جگہ سے کھسک جاتے۔ اللہ اکبر ایسی باریک باتیں آپ سے طبعی امور کے طور پر سرزد ہوتی تھیں اس میں مصلحت یہ ہے کہ آنے والے کی دلجوئی، اس کی قدردانی، اس کے آنے سے مسرت کا اظہار ہو اور قرآن میں ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا (اے مسلمانو! اگر تم سے کہا جائے کہ مجلس میں بیچ میں ذرا کشادہ کر دو تو کشادہ کر دیا کرو) قرآن میں تو یہ ہے کہ تمھیں جب جگہ چھوڑنے کا حکم ہو اس وقت کھسک جاؤ اور آپ کو باوجود یکہ جزئی حکم نہیں ہوا تھا آپ کھسک جاتے تھے کہ آپ کی نظر اس حکم کی علت پر تھی بس ایسی خاص بات اور وہ آپ کی طبیعت کا مقتضا ہو گئی تھی کہ آپ کھسک جاتے تھے۔ اور انتظام کی نسبت شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ کا ہر کام انتظام سے ہوتا تھا، چنانچہ ہر ہفتہ مسجد قبا میں تشریف لیجانے کا معمول تھا، برابر تشریف لے جاتے تھے۔ اوروں کو کام کرنا سہل ہے مگر اس کو آخر تک نباہ دشوار ہے۔ ع

لوگ کہتے ہیں چاہ مشکل ہے
سب غلط ہے نباہ مشکل ہے

اسلام از اچیومنٹس

پروفیسر محمد سمیع صدیقی ایم اے ایل ٹی (علیگ)

اسلام مختصر مدت میں عالمگیر مذہب کیسے بنا؟

اسلام نے اقوام عالم کو اپنی سادگی سے کیونکر گرویدہ بنایا؟

اسلام میں رنگ و نسل کے امتیاز کو کیسے مٹایا؟

اسلام نے مختلف طبقات انسانی کو ایک لڑی میں کیسے پرو دیا؟

اسلام نے خدا پرستی اور خدا شناسی کیسے سکھائی؟

ان تمام سوالوں کا جواب اس مختصر سی کتاب میں آپ کو ملے گا خود دیکھئے اور اپنے غیر مسلم احباب کو دکھائیے۔

قیمت دو روپے

سائز ۳۰×۲۰ / ۱۶

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کرنا

بلد امین کی ذمہ داری ہے

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

چونکہ حج ملت کا ایک ایسا سالانہ اجتماع ہے جس میں سب مسلمان ایک خاص عقیدہ، مقصد اور جذبہ کے ساتھ بہترین دینی و روحانی فضا اور ایمانی ماحول میں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوتے ہیں اور اس سے نئی قوت اور نئی روح حاصل کرتے ہیں ان کے عقائد میں ان عجمی تہذیبوں اور اجنبی فلسفیوں کے اثر سے یا اپنے پڑوسی ممالک اور قوموں کی تقلید کے نتیجہ میں جو کجی اور ان کی طرز زندگی اور عادات و اطوار میں جو فساد یا کسی قسم کی کوئی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے وہ اس کی روشنی میں اس کی اصلاح کرتے ہیں اور ان کو اس کا موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ دین کو اس "چشمۂ صافی" سے اخذ کریں جو ہر قسم کی آلودگی، کج روی اور تحریف سے پاک اور محفوظ ہے، اس لئے عقل و منطق کی رو سے بھی اور اسلام کی روح اور حج کی حکمت کے لحاظ سے بھی یہ ضروری ہے کہ یہ بلد امین جس سے یہ سارا حج متعلق ہے، حقیقی، سچی، نکھری اور دھلی ہوئی اسلامی زندگی کی امانت ہمیشہ محفوظ رکھے اور اس کے تمام پہلوؤں اور تمام خصوصیات اور مظاہر کی تصویر اس طرح پیش کر سکے کہ ہر زائر اور حاجی (خواہ اس کو بہت محدود وقت ملا ہو) اس فرق و امتیاز کو اچھی طرح محسوس کرے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس کا ذائقہ چکھ لے۔ اور اس کو چھو کر اور برت کر دیکھ لے اللہ تعالیٰ نے اس مبارک شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حج کا مرکز بنایا ہو۔ اور ہر مسلمان کی جائے پناہ اور مقام امن قرار دیا ہے، وہ اس شہر میں بجا طور پر یہ تصور لے کر آتے ہیں کہ وہ اس شہر میں جا رہے ہیں جو تقدیس و پاکیزگی کا سرچشمہ اور اسلام کا روحانی پایۂ تخت ہے اور اس سے دین نکل کر سارے عالم میں پھیلا ہے، ایک عام مسلمان جو مرکز اسلام سے بہت دور رہتا ہے یہاں پہونچ کر قدرتی طور پر ہر چیز کو حجت سمجھتا ہے۔ جو بات اس کے کان میں پڑتی ہے اور اس کی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہی اس کے نزدیک سب سے بڑا صحیح اور آخری معیار ہے اس لئے کہ عام مسلمانوں کے لئے اہل مکہ اور اہل مدینہ کے عمل سے بڑھ کر اب بھی کسی کا عمل دلیل و حجت اور معیار صداقت نہیں۔

یہ انسانی فطرت ہے جو منطق و فلسفہ کی موشگافی یا خطابت و بلاغت کے زور سے بدل نہیں سکتی، کوئی مذہب یا تہذیب ہو اس کے ماننے والے ہمیشہ اس کے مرکز پر نظر رکھتے ہیں اور اسی کی بات کو حجت اور قول فیصل سمجھتے ہیں تہذیب و قانون اور زبان و ادب ہر شعبہ میں یہی چیز کار فرما ہے، چنانچہ لغت قریش اول درجہ کی قرار دی گئی، اس لئے کہ وہ اہل بادیہ کی زبان ہے جو تمام اہل عرب اور ان کے لہجوں، محاوروں، تعبیروں اور اسالیب کلام کے لئے حجت ہے۔

اسی طرح اہل مدینہ کا عمل مالکی مذہب میں حجت سمجھا جاتا تھا اندلس کے علمی اور ثقافتی عروج کے زمانہ میں اہل قرطبہ کا عمل مغرب کے بہت سے فقہا کے نزدیک معیار تھا اور علماء و قضاۃ کا مرکز بن گیا تھا، اس کے علاوہ لوگ ہمیشہ سے اپنے اپنے ملکوں کے دار الحکومت کو قابل حجت اور تہذیب کا آئیڈیل سمجھتے ہیں، اس کی پیروی و تقلید میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو فیشن، تمدن، معاشرت کے اصول اور زندگی کے طور طریقوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھتے ہیں، چنانچہ دعوت و اصلاح کا کام کرنے والوں کے لئے وہ وقت سخت کشمکش اور آزمائش کا ہوتا ہے جب حاجی مرکز اسلام سے واپس آنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو وہاں اس کے خلاف دیکھا ہے۔

بلد امین کو اپنی خصوصیات برقرار رکھنا چاہئے

اس سے زیادہ نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ بلد امین کو تاریخ کے ہر دور میں اور تہذیب و تمدن اور معیار زندگی کے نشیب و فراز میں، اسی سادگی و جفاکشی اور زہد و احتیاط کو کسی نہ کسی درجہ میں ضرور برقرار رکھنا چاہئے جو دنیا کے کونے کونے سے آنے والے حجاج کو اس فضا اور اس ماحول کے کچھ قریب کر دے جس فضا اور ماحول میں قرون اول کے مسلمان مناسک حج ادا کرتے تھے۔ اس ماحول میں آ کر ان کو محسوس ہو کہ وہ نئے عالم میں قدم رکھ چکے ہیں، اور ایک بالکل نئے ماحول اور نئی فضا میں سانس لے رہے ہیں، یہ احساس و شعور ان کو گذشتہ زندگی کے راستے سے ہٹا کر کچھ نئی چیزیں اور نئی قدریں قبول کرنے اور نئی دولت حاصل کرنے پر آمادہ کر سکے گا اور ان کو وہ روحانی مسرت نصیب ہو گی جو ان کے گھر اور اپنے مستقر میں نہیں مل سکتی تھی، اب اگر بیت اللہ اور حرم شریف تو اپنی قدیم وضع پر باقی رہے اور اس کے گرد و پیش کی ہر چیز بالکل تبدیل ہو جائے اور بلد امین اور اس کے قریبی شہر یورپ و امریکہ کا ایک بڑا نمونہ معلوم ہونے لگیں، اور مغربی تہذیب اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں اور اپنی تمام خرافات اور آلودگیوں کے ساتھ یہاں بھی مسلط ہو جائے، اور حاجی جس کو شرع کی زبان میں "الشعث التفل" یعنی غبار آلود اور پراگندہ بال کہا گیا ہے، جدید تہذیب کی ترقیات اور وسائل کی فراوانی سے دل کھول کر لطف اندوز ہونے لگے، راحت و تنعم اور آسائش کی بھرپور

زندگی گزارنے لگے، جدید سے جدید تر سہولتوں اور وسائل میں ہر وقت ڈوبا رہے تو وہ کوئی ایسی نئی اور طاقتور چیز محسوس نہ کر سکے گا جو اس کی زندگی میں انقلاب لانے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اس کے اندر سچی روحانیت پیدا کر سکتی ہو۔

اسی لئے حج کو جہاد ہی کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے، بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سب سے افضل اور سب سے اچھا جہاد حج مقبول ہے، حضرت عائشہ ہی سے ایک اور روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ہم جہاد کو افضل عمل سمجھتے ہیں تو ہم کیوں نہ جہاد ہی کریں؟ آپ نے فرمایا لیکن افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ "حج کا سامان اور تیاری کرو اس لئے کہ وہ بھی ایک جہاد ہے"۔

اس لحاظ سے اگر مکہ پوری طرح بدل جائے اور مغربی تہذیب کو اس کی پوری معاشرت اور وسائل کے ساتھ قبول کر لے اور حج میں راحت و آسائش کے وہ سارے اسباب مہیا ہو جائیں جو صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں پائے جاتے ہیں تو حاجی حج کو بجا طور پر ایک قسم کا ... ایک طرح کی بے کیفی و بے لطفی اور حج کے فوائد و برکات میں کھلا ہوا انحطاط محسوس ہو گا۔

حج کو زیادہ سے زیادہ موثر اور مفید بنانے کے لئے شریعت کے حکیمانہ انتظامات

وحی الٰہی اور شریعت الٰہی نے حج کے لئے ایک ایسی سازگار فضا اور موافق ماحول فراہم کر دیا ہے جس میں سنجیدگی اور عزم خود بخود پیدا ہوتا ہے اور دل و دماغ بیدار ہونے لگتے ہیں اس نے اس کو عبادت اور روحانیت اور تقدس کے حصار سے گھیر دیا ہے۔ حج کا سفر کرنے والوں کے لئے ایک طویل اور دور دراز کا سفر ہے جس میں حاجی کو مختلف ملکوں، مختلف فضاؤں اور طرح طرح کے دلفریب مناظر اور فتنہ انگیز ترغیبات سے گزرنا ہوتا ہے، مختلف مشغولیتیں اور کاروباری فکریں اس کو گھیرے رہتی ہیں، اس کی دولت کبھی کم ہوتی ہے کبھی زیادہ، وہ نئے نئے شہروں میں داخل ہوتا ہے اور مختلف لوگوں سے ملتا جلتا ہے ان میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی، جوان بھی اور بوڑھے بھی، کبھی وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ حج کرتا ہے اور اس کی بیوی بچے ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو حج کے تقدس اور رعب اور اس کی عظمت و جلال اور عبادت و جہاد کی اسپرٹ کو ختم کر سکتی تھیں اس صورت میں اس کا اندیشہ تھا کہ یہ سفر بھی ایک عام سفر یا پکنک

ے اس تقریر کا اقتباس ہے جو مصنف نے ... کے اجلاس منعقدہ مکہ میں ... کی تھی۔